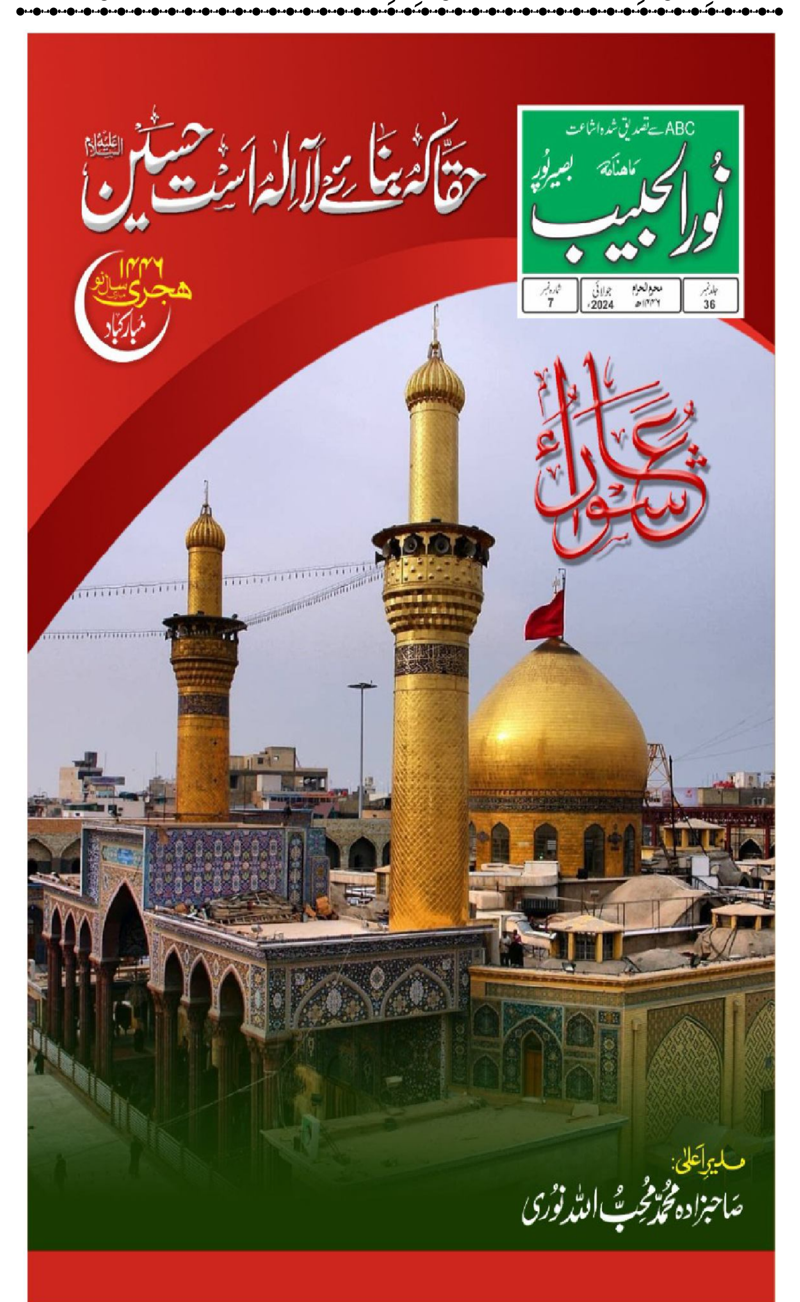
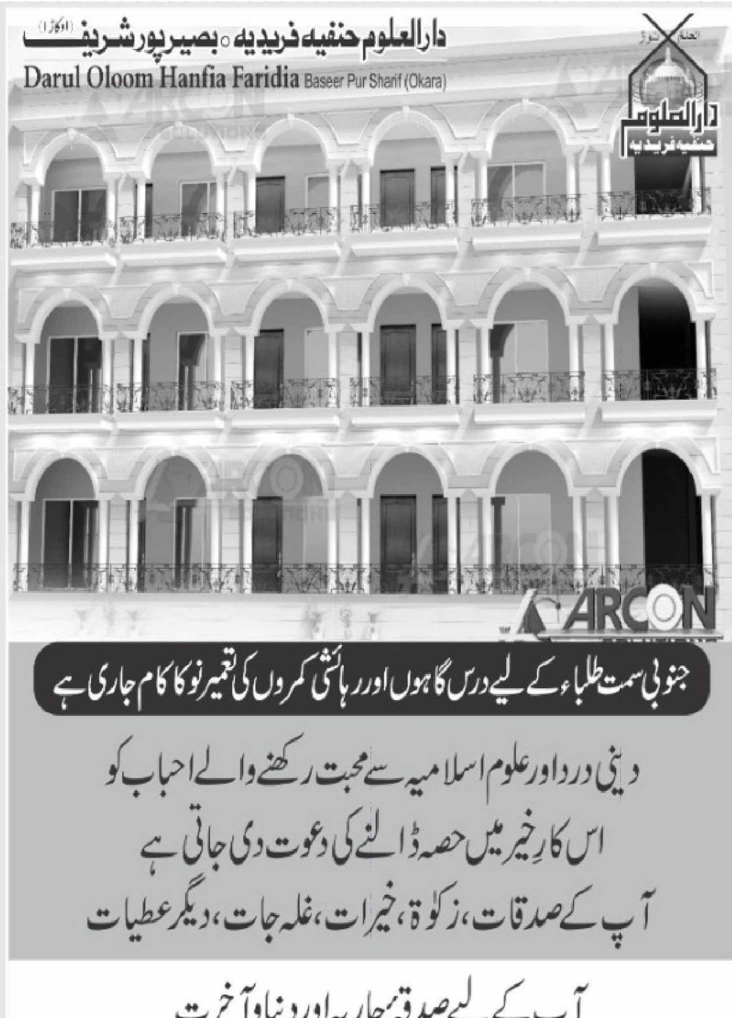

ABC سے تصدیق شدہ اشاعت
ماہنامہ
نور الحبیب
بصیر پور
جلد نمبر 36
محرم الحرام ۱۴۴۶ھ
جولائی 2024ء
شمارہ نمبر 7
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین علیہ السلام
۱۴۴۶ ہجری سالِ نو مبارکباد
عاشوراء
مدیرِ اعلیٰ:
صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری



آپ کے لیے صدقہ جاریہ اور دنیا و آخرت

کی بھلائی کا ذریعہ بنیں گی۔ ان شاء المولیٰ تعالیٰ

نوٹ: عطیات کی رقم براہ راست بھجوائیں

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف ضلع اوکاڑا

موبائل نمبر: 0300-4321088, 0345-7526622, 0306-5696666



قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ
ھُوَ الْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُہٗ لِکُلِّ ھَوْلٍ مِّنَ الْاَھْوَالِ مُقْتَحِمِ
ماھنامہ
نور الحبیب
بصیر پور
Regd No. PS | CPL - 25 ISSN 1993-4238
زیر ظل عاطفت
فقیہ اعظم
حضرت مولانا ابو الخیر
محمد نور اللہ نعیمی
قدس سرہٗ
بانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ و ماہنامہ نور الحبیب
محرم الحرام ۱۴۴۶ھ
جلد نمبر 36
جولائی 2024ء
شمارہ نمبر 7
مدیر اعلیٰ
صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری
مجلس ادارت
پروفیسر خلیل احمد نوری
صاحبزادہ محمد نعیم اللہ نوری
صاحبزادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری
پروفیسر حافظ محمد اعظم نوری
پروفیسر محمد امین صابر القادری
صحافی محمد اصغر مجددی
قانونی مشاورت
میاں فیض علی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ
صاحبزادہ محمد سعد اللہ نوری ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
منیجر:
مولانا غلام عباس نوری
ایزی پیسہ اکاؤنٹ:
0346-1276516
تزئین:
مولانا محمد یوسف نوری
کمپوزنگ:
نوری کمپوزنگ سنٹر بصیر پور شریف
سرورق:
خصوصی چندہ سالانہ: 4000/= روپے
عمومی چندہ سالانہ: 800/= روپے
فی کاپی: 70/= روپے
نوٹ: جو مستقل قارئین ماہنامہ "نور الحبیب" بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ سالانہ چندہ کے ساتھ
مبلغ=/120 روپے مزید بھیجیں، انہیں ہر ماہ رسالہ بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک پوسٹ کر دیا جائے گا---ان شاء المولیٰ تعالیٰ
ترسیل زر کا پتہ:
انجمن حزب الرحمٰن (شعبہ تبلیغ) دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع اوکاڑا
پوسٹ کوڈ 56011
E-Mail:
noorulhabibmonthly@gmail.com
www.facebook.com/mohibnoori
www.facebook.com/hanfiafaridiah
ناشر محمد محب اللہ نوری نے گنج شکر پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر نور الحبیب بصیر پور سے شائع کیا

اس شمارے میں

منظومات

ادارہ کا مضمون نگار کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

حمدِ باری تعالیٰ

اے خالق و مالک ربِّ علیٰ سبحان اللہ سبحان اللہ
تو رب ہے میرا ، میں بندہ ترا سبحان اللہ سبحان اللہ

ہم منگتے ہیں تو داتا ہے ، ہم بندے ہیں تو مولا ہے
محتاج تیرا ہر شاہ و گدا ، سبحان اللہ سبحان اللہ

ہم جرم کریں تو عفو کرے ، ہم قہر کریں تو مہر کرے
گھیرے ہے جہاں کو فضل تیرا ، سبحان اللہ سبحان اللہ

تو والی ہے ہر بے کس کا ، تو حامی ہے ہر بے بس کا
ہر اِک کے لیے در تیرا کھلا ، سبحان اللہ سبحان اللہ

رازق ہے مور و مگس کا تو ، غفار ہے نیک و بد کا تو
ہے سب پر تیری جود و عطا ، سبحان اللہ سبحان اللہ

ہم عیبی ہیں ستّار ہے تو ، ہم مجرم ہیں غفّار ہے تو
بدکاروں پر بھی ایسی عطا ، سبحان اللہ سبحان اللہ

تیرے عشق میں روئے مرغِ سحر، تیرا نام ہے مرہمِ زخمِ جگر
تیرے نام پہ میری جان فدا سبحان اللہ سبحان اللہ

یہ سالک مجرم آیا ہے اور خالی جھولی لایا ہے
دے صدقہ رحمتِ عالم ﷺ کا سبحان اللہ سبحان اللہ

حکیم الامت مفتی احمد یار خان سالک بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

❀❀❀❀❀

نعتِ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

عقیدتوں کے بنا کے گجرے، بڑی محبت سے تک رہے ہیں
مرے نبی کے علوِ عظمت کو لوگ حیرت سے تک رہے ہیں

رسولِ رحمت کے دم قدم سے، دمک رہے ہیں، ملول چہرے
رسولِ رحمت، ملول چہروں کو چشمِ رحمت سے تک رہے ہیں

الوہی نطقِ محمدی پر، سخن وروں کو ہے اک تعجب
کئی فصاحت سے تک رہے ہیں، کئی بلاغت سے تک رہے ہیں

چھلک رہے ہیں، قسیمِ کوثر کے دستِ شفقت میں جامِ کوثر
کھڑے قطاروں میں حور و غلماں، کمال حسرت سے تک رہے ہیں

رسولِ اجمل کی جلوہ ریزی سے رشکِ فردوس، دشت و صحرا
زمانے بھر کے جمال پیکر، کھڑے عقیدت سے تک رہے ہیں

مٹا دیے ہیں وداعی خطبے نے گورے کالے کے فرق سارے
"رعونتِ رنگ و نسل کے بت، کمالِ حیرت سے تک رہے ہیں"

بِنائے کِبر و بُنِ تفاخُر کو شاہِ دیں نے اُکھاڑ پھینکا
"رعونتِ رنگ و نسل کے بت، کمالِ حیرت سے تک رہے ہیں"

کھڑے ہیں بوذر، بلالِ حبشی، علی و عثمان، ایک صف میں
"رعونتِ رنگ و نسل کے بت، کمالِ حیرت سے تک رہے ہیں"

مرے نبی مشعَلِ ہدایت ہیں گم رَہی کی بسیط شب میں
ہیں سُرخ رُو جو مرے نبی کو، رُخِ ہدایت سے تک رہے ہیں

مثالِ خورشید ضوفشاں ہیں، سیہ شبی میں، حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
نجوم و شمس و قمر، کواکب، فرازِ حیرت سے تک رہے ہیں

مجھے تو جمشید یہ خوشی ہے کہ اس ادب سوز عہد میں بھی
نبی کے مداح، روئے مدحت، جمالِ مدحت سے تک رہے ہیں!

جمشید کمبوہ

سید الشہداء حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

غازۂ روئے صداقت ہے شہادت تیری
مایۂ خونِ پیمبر ہے شجاعت تیری

حاملِ خلقِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے شرافت تیری
حاصلِ بنتِ پیمبر رضی اللہ عنہا ہے نجابت تیری

کیوں نہ ہو سینۂ عشاق میں الفت تیری
یادگارِ دلِ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے محبت تیری

نازشِ حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ شجاعت تیری
سرخیٔ عارضِ اسلام صداقت تیری

جب سے لب ہائے محمد نے تمہیں چوما ہے
خاکِ پا چومتی ہے عرش کی رفعت تیری

تیرے جلووں کی قسم اہلِ نظر کے نزدیک
دیدۂ و دل کی ہے معراج زیارت تیری

نازشِ یوسف و داؤد علیہما السلام ہے تقویٰ تیرا
حاملِ فقرِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے قناعت تیری

مظہرِ حسنِ ازل کیوں نہ ہو نقشہ تیرا
صورتِ احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے صورت تیری

مرکبِ ناز بنا دوشِ پیمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرا
سرنگوں عرش بھی ہے دیکھ کے رفعت تیری

شانِ تطہیر ہوئی تیری بہا کی ضامن
گوہرِ دُرجِ نبوت پہ ہے قیمت تیری

اے گلِ باغِ رسالت مجھے تیری ہی قسم
زلفِ یٰسین سے ماخوذ ہے نکہت تیری

تیری خاطر سے ہوا سجدہ نبوت کا طویل
کس قدر حق کو بھی منظور ہے راحت تیری

بوسہ گاہِ لبِ احمد ہے ترا روئے حسیں
سجدہ گاہِ دلِ عشاق ہے تربت تیری

فیضِ مضطر بھی ہے اک چاہنے والا تیرا
حشر میں اس کا سہارا ہے عنایت تیری

صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ

منقبتِ اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین

کس زباں سے ہو بیاں فضل و کمالِ اہلِ بیت
آئینہ حسنِ نبی کا ہے جمالِ اہلِ بیت

قاضیٔ حاجات ہر ہر فرد اس کنبے کا ہے
پیکرِ صدق و صفا ہر خوش خصالِ اہلِ بیت

کس کے دامن میں نہیں خیرات ان کے فیض کی
ہے مسلّم دہر میں جود و نوالِ اہلِ بیت

سرورِ دیں کے شمائل سے ملا حصہ انہیں
پیکرِ صدق و صفا ہر خوش خصالِ اہلِ بیت

بدر کے میدان سے تا ریگ زارِ کربلا
ہر جگہ غالب رہا جاہ و جلالِ اہلِ بیت

ان کو ورثے میں ملے ہیں علم و حلم و صدق و عدل
عکسِ آیاتِ مبیں ہیں قال و حالِ اہلِ بیت

اُن کی خوشنودی میں پنہاں ہے رضا سرکار کی
کب گوارا مصطفیٰ کو ہے ملالِ اہلِ بیت

منبرِ نوکِ سناں سے اس طرح خطبہ دیا
آیۂ قرآں ہوئی زیبِ مقالِ اہلِ بیت

ایسا گھر شہزادؔ تاریخِ نبوت میں نہیں
ڈھونڈ کر لائے بھلا کوئی مثالِ اہلِ بیت

رضی اللہ عنہم

علامہ ڈاکٹر محمد شہزاد مجددی



کس سے منصفی چاہیں؟؟؟

قادیانی کیس سے متعلق سپریم کورٹ کا حالیہ فیصلہ

چند معروضات

مولانا محمد ساجدِ ستار نوری

نوآبادیاتی نظام (colonial era) کے آقاؤں نے اُس زمانہ کی prevailing situation جیسا کہ عالمی جنگوں کے زیرِ اثر جنم لینے والی عالمی سیاسی تبدیلیوں کو دیکھتے ہوئے مجبوراً، مقبوضہ ممالک کو ''آزادی'' تو دے دی، مگر جاتے جاتے فتنوں کے ایسے بیج بو گئے، جسے ہم ابھی تک کاٹ رہے ہیں۔ ان ایمان سوز فتنوں میں ایک قادیانیت بھی ہے۔

قادیانیت ایک ایسا کانٹا ہے جو امت کے حلق میں پھانس کی طرح اٹک گیا ہے۔ ایسا فتنہ، جسے کفر کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔ اسی سبب سے امت کو اپنی نسلوں کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ پاکستان کی مذہبی شناختوں نے متفقہ اور بھرپور جدو جہد کرتے ہوئے آئینی جنگ لڑی۔ سنہ 1974ء میں پارلیمانی فلور پر کئی دن کی جرح اور فریقین کے دلائل سن کر اس بات کو ملکی آئین کا حصہ بنایا گیا کہ 'احمدیت و قادیانیت' کی ہر شکل کافر ہے۔ واضح رہے کہ قادیانیت حکم شرع کی رو سے تو اوّل دن ہی سے کافر تھی، البتہ آئینِ پاکستان میں باقاعدہ یہ بات سنہ 1974ء میں

درج ہوئی کہ جو شخص بھی 'حضور تاج دارِ ختم نبوت ﷺ' کے بعد کسی بھی شخص کو نبی یا دعویٰ کرنے والے کو مصلح بھی مانے گا، وہ دائرۂ ایمان سے خارج قرار پائے گا۔

تب سے اب تک، یہ کافر اقلیت تلملا رہی ہے۔ اس کا ایک یہی جرم کافی ہے کہ ''آئینِ پاکستان'' کو تسلیم کرنے سے عملاً اور ظاہراً انکار کرتی آ رہی ہے۔ آئین کو تسلیم نہ کرنا اگر غداری نہیں تو پھر کیا ہے؟ کوئی دن نہیں گزرتا جب یہ اپنی ناپاک فکر کو مسلمانوں میں فروغ دینے کے حربے استعمال نہ کرتے ہوں۔ پوری دنیا میں قادیانیت کا نیٹ ورک موجود ہے جو وہاں نام نہاد 'تعلیم و تبلیغ' سے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ افسوس ناک امر ہے، لیکن اس سے بھی خطرناک صورتِ حال پاکستان کی ہے کہ ایک ایسا ملک جہاں نہ صرف مسلمان اکثریت میں ہوں، ریاست 'اسلامی جمہوریہ' ہو، بلکہ آئین میں اسے 'غیر مسلم اقلیت' لکھ دیا گیا ہو؛ وہاں بھی اس کی شرارتوں سے مسلمان محفوظ نہیں۔

تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ C-298، واضح کرتی ہے کہ کوئی بھی قادیانی اپنے آپ کو نہ صرف یہ کہ صراحتاً مسلمان ظاہر نہیں کر سکتا بلکہ اشارے کنائے، سے بھی ایسا عندیہ نہیں دے سکتا۔ لیکن تکلیف دہ ہے یہ صورتِ حال کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہ گروہ؛ 'دامِ ہم رنگِ زمین' بچھانے کا بڑا ماہر ہے اور چور دروازوں کا پرانا رازدار بھی ہے اور چوب داروں کا پرانا یار بھی۔ اسی لیے ہر صاحبِ ایمان کو یہ جان لینا چاہیے کہ دیگر اقلیتوں اور مرزائیوں میں کتنا فرق ہے اور کیوں ہے۔ کوئی دکھ سا دکھ ہے کہ ابھی تک ہمارا ایک طبقہ اس کی نزاکت اور سنگینی کو محسوس نہیں کر رہا یا کرنا نہیں چاہتا۔

کچھ عرصہ قبل ایک قادیانی نے چنیوٹ کے علاقہ میں دجل وفریب پھیلاتی؛ مرزائی افکار پر مبنی تفسیر بنام 'تفسیرِ صغیر' تقسیم کی۔ اسلامیانِ پاکستان کے لیے یہ جرم کسی طور بھی قابل برداشت نہ تھا۔ یہ فعل تعزیراتِ پاکستان کے تحت اس رو سے جرم ہے کہ قرآن مسلمانوں کی مذہبی کتاب اور شعارِ اسلام ہے، کوئی اسے اپنے مذہب کی کتاب کے طور پر پیش نہیں کر سکتا۔ اس پر مقدمہ چلا، ماتحت عدالتوں نے جرم ثابت ہونے پر سزا سنا دی۔ بعدہٗ؛ قادیانی مجرم عدالتوں میں ضمانت اور فردِ جرم میں دفعات کو حذف کروانے میں سر پیر مارنے لگے۔ ہائی کورٹ سے بھی ان کی یہ اپیل خارج ہوئی تو عدالتِ عظمیٰ میں اپیل داخل کر دی۔

نتیجتاً سپریم کورٹ کے 2 رکنی بنچ نے فیصلہ ان کے حق میں کرتے ہوئے، ضمانت پر رہائی اور بعض دفعات کو حذف کرنے کا حکم جاری کیا۔ دو رکنی پینل میں ایک جسٹس مسرت ہلالی صاحبہ اور دوسرے چیف جسٹس مسٹر جسٹس قاضی فائز عیسیٰ صاحب شامل تھے۔

اس فیصلے کی خبر سن، پڑھ کر دینی حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ سماجی رابطوں کے الیکٹرانک پلیٹ فارمز پر اس فیصلہ پر تنقید کا سلسلہ چل نکلا۔ سپریم کورٹ کی طرف سے فیصلہ کا متن انگریزی و اردو میں پبلک کر دیا گیا۔ متن؛ منظرِ عام پر آتے ہی اہلِ علم سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ کیوں کہ فیصلے کی عبارت سے بہت سے خدشات نے جنم لیا کہ اس کی عبارت کسی بجھارت سے کم نہیں۔ فیصلہ کے مندرجات پر بالتفصیل کلام کا تو خیر موقع نہیں اور نہ ہی 'قانونی موشگافیاں' اس قدر سہل ہوتی ہیں کہ چٹکی بجاتے حل ہو جائیں، البتہ جو باتیں نسبتاً ناگزیر و ناگریز ہیں، ان سے چند ایک پر توجہ درکار ہے:

- فیصلہ میں عجلت سے کام لیا گیا۔ ایسے اہم اور نزاکت کے حامل مقدمہ پر جتنا گہرا غور و خوض متقاضی تھا، وہ نہ ہو سکا۔
- مذکورہ 'ورڈ کٹ' سے عام طور یہ تاثر لیا گیا کہ معزز عدالت کی نظر میں یہ فعل نہ صرف؛ قابلِ گرفت نہیں، بلکہ وہ اسے مقدمے کی فریق اقلیت کا قانونی حق باور کرانا چاہتی ہے۔ کئی وجوہ کی بنا پر جج صاحب کا یہ سٹینڈ سمجھ سے بالاتر ہے۔ جب کہ اس جرم کی باعتبارِ نتائج، سنگینی سمجھنا کوئی راکٹ سائنس نہیں۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ قانون سے متعلق اختلافِ آراء کی صورت میں آئین کی تعبیر و تشریح اور معانی کی تعیین کرنا ''جج'' کا منصب ہے۔ اگر ہر کہ و مہ یہ کام سرانجام دینے لگے تو قانون بازیچۂ اطفال بن کے رہ جائے گا۔ سو! لمحہ بھر کے لیے تصور کیجیے! ریاست کا کوئی غدار یا کالعدم گروہ، تہتر کے قانون کی من مرضی تعبیر و تشریحات کرے اور پھر اسے برسرِ عام تقسیم کرتا پھرے، تو کیا کسی بھی قوم میں یہ 'بنیادی حق' تسلیم کیا جائے گا؟ یقیناً نہیں! تو پھر کلامِ الٰہی سے متعلق یہ نرم گوشہ اختیار کرنا، کیسے انصاف پر مبنی ہو سکتا ہے؟
- ایک گونہ خوشی کی بات ہے کہ فاضل جج صاحب نے اپنے فیصلے کو آیاتِ قرآنی سے بنیادیں فراہم کرنا چاہیں، لیکن اسے ہماری شامت ہی کہیے کہ فیصلہ میں جن قرآنی آیات

کا ریفرنس دیا گیا، وہ کسی طور بھی اس فیصلہ کو سپورٹ نہیں کرتیں۔ بلکہ صاف اور واضح ہے کہ ان آیات کا پسِ منظر اور سیاق وسباق اس کے برعکس مفہوم پر دلالت کرتا ہے، جو فیصلے میں مطلب برآری کے لیے بیان کیا گیا۔ مختصراً فقط ایک مثال: لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ [البقرۃ،۲:۲۵۶] کا حوالہ دے کر یہ بتانا کہ دین میں جبر نہیں۔ زیرِ سماعت مقدمہ میں اس آیت کا مفہوم اس انداز سے پیش کیا گیا کہ الٹا تمام مسلمان ہی کٹہرے میں کھڑے دکھائی دیے۔ گویا وہ فرما رہے ہیں کہ اس آیت کے تحت قادیانیوں کی سرگرمیوں پر قدغن لگانا غیر اسلامی فعل ہے۔ واجبی علم رکھنے والا مسلمان بھی جانتا ہے کہ یہاں جس جبر کی بات ہے وہ بالاکراہ و بالجبر کسی کافر کو اسلام قبول کرانا ہے، یا اسی قبیل کی دیگر جہتیں۔ اس مقدمہ میں تو اُلٹا ایک کافر اپنے 'جھوٹے مذہب' کو اسلام کہہ کر پیش کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یعنی وہ زبردستی اپنے کفر کو اسلام قرار دینا چاہتا ہے، جو کہ 298-C کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔

محترم چیف جسٹس صاحب بخوبی جانتے ہوں گے کہ فیصلہ سازی میں contextual interpretation کی کتنی اہمیت ہے۔ مزید یہ کہ ان تمام آیات میں معزز عدالت نے ان کا contextual back ground قطعی طور پر نظر انداز کر دیا۔ یہ بات دیکھنے میں معمولی ہوسکتی ہے، لیکن یہ وہی ایک نقطہ ہے جو محرم کو مجرم بنا دیتا ہے۔ قانون سے مَس رکھنے والا کوئی بڑا انجان ہی بے خبر ہوگا کہ آئین وقانون کی نزاکت کا یہ عالم ہے کہ 'کومے' اور 'فل سٹاپ' بھی بعض اوقات کیس کی کایا پلٹ سکتے ہیں۔ اس لیے ہماری حیرانگی بے جا نہیں کہ اس منصبِ رفیع پر بیٹھی شخصیت کو اپنی مذہبی کتاب کا سطحی علم بھی نہیں۔ سچ ہے کہ ''لِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ''۔

اس فیصلے پر نظر ثانی کیا جانا اس لیے بھی ضروری ہے کہ leagle precedents یعنی عدالتی نظائر مستقبل کی فیصلہ سازی میں نہایت ''کروشل رول'' ادا کرتی ہیں، جسے law کا ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے۔ آج تک قانون کے طالب علم کو ستر سال پرانا 'مولوی تمیز الدین کیس' جب رٹنا پڑتا ہے تو کوئی وجہ ہے۔

☜ عدالت عظمیٰ نے جن علمی مراکز کو مدعو کیا، ان میں ایک ایسا ادارہ بھی تھا، جو ختم نبوت کے مسئلہ میں امت کے اجماعی موقف کے برخلاف رائے رکھتا ہے۔ وہ فکری طور پر

خصوصاً زیرِ نظر مسئلہ میں پوری ملتِ اسلامیہ سے الگ تھلگ کھڑا ہے۔ اس لیے ایسے نظریات کے حاملین کی رائے طلب کرنا قرینِ انصاف نہ تھا۔

اگر خدانخواستہ اس اہم دینی و ملی مسئلے میں امت نے کبھی کوتاہی برتی تو ''دیں بھی گیا، دنیا بھی گئی'' والا معاملہ ہوگا۔ ہمارے اسلاف کی جانی و مالی قربانیوں کے رائگاں جانے کا دکھ تو الگ رہا، یہ تصور تو روح فرسا ہے کہ ہماری نسلیں جو پہلے ہی لبرل بننے کے شوق میں نیم مسلمان ہو چکی ہیں، کہیں اپنے آقا و مولا حضور جانِ عالم ﷺ کے دامنِ شفاعت و یمن و برکت سے بھی محروم نہ ہو جائیں۔

یہ بات زبان زدِ عام ہے کہ قادیانی عناصر مختلف شعبوں میں کلیدی اسامیوں پر فائز ہیں، جن میں قانون و عدل کا شعبہ بھی ہے۔ ججز، وکلاء وغیرہ کی ایک تعداد بھی ان نظریات کی حامل ہے۔ اندریں حالات ہمارے لیے یہ بات قابلِ غور ہے کہ ہم قابل، ذہین اور محنتی رجالِ کار تیار کریں، یہ فتنہ اپنی نت نئی شرانگیزیوں سے باز آنے والا نہیں۔ ملتِ اسلامیہ کو ہر وقت چوکنا رہنا ہے، اہلِ مدارس کو چاہیے کہ وہ اپنے ذہین طلبہ، جن کے مزاج میں قانون سے دلچسپی پائیں؛ انھیں شعبۂ وکالت سے منسلک کر دیں، بلکہ اس سے بھی آگے انھیں قضا کے امتحانات میں بھی بیٹھنا چاہیے کہ پھر خدانخواستہ قاضیٔ تقدیر ہم سے یہ سوال کرے:

تیرا وہ گنہ کیا تھا، یہ ہے جس کی مکافات

❀❀❀❀❀

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ زِ احسانِ خداست
پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰ ست

[علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اسرار و رموز]

چیف جسٹس آف پاکستان سے اپیل!

آپ نے فوجداری اپیل: 1054-L02023 مبارک احمد، بنام ریاست پاکستان کا جوانتہائی متنازع فیصلہ لکھا تھا، اس پر پورے ملک میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی، تاہم 29 رمئی 2024ء کو نظر ثانی پٹیشن کی سماعت مکمل ہو چکی، ہمارا مفصل و مدلل موقف آپ کی عدالت میں پیش کیا جا چکا ہے، آپ نے فیصلہ محفوظ کیا ہے، پس گزارش ہے:

''فیصلے کے وہ تمام پیراگراف، آیاتِ قرآنی اور آئینی دفعات کے حوالے جو سراسر غیر متعلق یا نا تمام تھے، انھیں حذف کر دیا جائے اور ماتحت عدالت کو ہدایت کی جائے: سپریم کورٹ کے مشاہدات اور تبصروں سے صرفِ نظر کر کے مقدمے کے حقائق، آئین وقانون کی متعلقہ دفعات اور اعلیٰ عدالتوں بشمول سپریم کورٹ کے سابق فیصلوں کی روشنی میں جلد از جلد اس کیس کو نمٹایا جائے''۔

مسلمانوں میں اضطراب بدستور موجود ہے، روزانہ کی بنیاد پر لوگ ہم سے رابطے کر رہے ہیں کہ فیصلہ کب آئے گا اور کیا آئے گا۔

للہ! ملک کے تمام دینی طبقات اور پوری قوم کو کسی ابتلا سے دوچار کرنے سے گریز کیا جائے۔

اس سلسلے میں لاہور ہائی کورٹ راول پنڈی بینچ کے جسٹس مرزا وقاص رؤف نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر کے اپنی غلطی کا دوٹوک انداز میں ازالہ کیا ہے اور اس سلسلے میں اپنی انا کو آڑے نہیں آنے دیا، یہ رویہ قابل تحسین ہے۔ ہم سپریم کورٹ آف پاکستان سے بھی اسی مثبت رویے کی توقع کرتے ہیں۔

مفتی منیب الرحمٰن

رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم جامعہ نعیمیہ، کراچی

22 رجون 2024ء



انسانی دودھ کا بنک---لمحۂ فکریہ

ادارہ

مملکتِ خداداد پاکستان ایک اسلامی ملک ہے، جہاں آئینِ پاکستان کی رو سے شریعت سے متصادم کسی قانون کی قطعاً گنجائش نہیں ہے---مگر عملی طور پر یہاں لبرل ازم، روشن خیالی اور جدت کی آڑ میں غیر شرعی، غیر اخلاقی اور حیا باختہ اقدار کو اربابِ اختیار و اقتدار کی اشیر باد حاصل ہے---

حال ہی میں یہ خبر سامنے آئی ہے کہ کراچی میں UNICEF یونی سف کے اشتراک سے پاکستان کے پہلے Mother's Milk Bank ''مدرز ملک بنک'' کا افتتاح ہوا ہے، جس میں خواتین کے دودھ کو ضرورت مند بچوں کے لیے محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جائے گا--- بظاہر یہ بات انسانی ہمدردی نظر آتی ہے اور خوش نما دکھائی دیتی ہے لیکن اپنے مضمرات کے اعتبار سے نہایت سنگین اور خلافِ شرع قباحتوں کی حامل ہے، کیوں کہ بچوں کو اس طرح کا دودھ پلانا اسلام کے پاکیزہ اور طیب و طاہر نظامِ حفاظتِ نسب و نسل کے سراسر منافی ہے--- ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس غیر شرعی، غیر اخلاقی اقدام کی روک تھام کرے--- اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہیے---

2007ء کے اواخر اور 2008ء کے اوائل میں پاکستان کے اندر ''مدر ملک بنک'' قائم کرنے کی خبریں گردش میں آئیں تو ماہ نامہ نور الحبیب، بصیر پور، جون 2008ء کے ادارتی صفحات میں ہم نے درج ذیل مضمون شائع کیا، جو موقع کی مناسبت اور افادیتِ عامہ کے پیشِ نظر نذرِ قارئین ہے:

''آج کی جدید دنیا جس سرعت سے ترقی کر رہی ہے اور روشن خیالی بڑھتی جا رہی ہے، نت نئے فقہی مسائل سامنے آ رہے ہیں، ان مسائل میں سے دودھ بنک کا معاملہ بھی شامل ہے۔ ہمارے ایک نہایت محترم دوست علامہ ڈاکٹر نور احمد شاہتاز حفظہ اللہ نے مجلّہ ''فقہ اسلامی''، کراچی، اپریل 2008ء میں اس موضوع پر اپنی رائے کا اظہار کر کے اس اہم مسئلہ کی طرف اہلِ علم کو متوجہ کیا ہے:

- یورپ سے آنے والی ہر وبا اور ادا کو جب تک ہم قبول نہ کر لیں کوئی اور ہمیں کہے نہ کہے ہم خود کو بنیاد پرست تصور کرتے رہتے ہیں اور کسی چیز کی ہمارے ہاں ضرورت ہو نہ ہو، ہم اس میں مغرب کی تقلید ضرور کرتے ہیں اور ضرورت کا عذر تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ مغربی ممالک میں دودھ کے بنکوں کا تصور اس لیے ہے کہ وہاں بچوں کے بارے میں یہی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ ہے کس کا؟ اس لیے وہاں کسی سے اس کے والد کا نام پوچھنا ایسے ہی ہے جیسے کسی کو مادر زاد گالی دینا۔ چوں کہ انھوں نے اپنے نسب اور نسل کی حفاظت کو ضروری نہیں سمجھا، یا بدقسمتی سے وہ حفاظتِ نسل کر نہیں سکے، جب کہ اسلام نے حفاظتِ نسل و نسب کا انتظام بہت ہی عمدہ کر دیا ہے، اس لیے ہمارے ہاں دودھ کے بنکوں کی وہ ضرورت نہیں، جو ان کے ہاں ہے۔ انھیں دودھ کے بنکوں کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ سڑکوں پر سے ملنے والے بچے، کلبوں میں جنم لینے والے بچے، دیگر مختلف اداروں میں بن باپ پیدا ہونے والے بچے کسی مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے منتظر ہوتے ہیں اور مرضعہ کا متبادل دودھ کے بنک ہیں۔

وہاں کسی عورت کا دودھ کسی دوسری عورت کے بچے کو پلانے سے کوئی رشتۂ رضاعت کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا، جب کہ یہاں رشتۂ رضاعت کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے، اس لیے ہمارے ہاں دودھ کے بنکوں کا قیام ایک فتنہ سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوگا۔ ہمیں دودھ کے

بنکوں کی اس لیے بھی ضرورت نہیں ہے کہ اسلام نے اس کا بہترین نعم البدل ہمیں مرضعہ کی صورت میں عطا کیا ہے اور ہمارے ہاں مرضعات مل جاتی ہیں، جب کہ وہاں صورتِ حال مختلف ہے، اس لیے بلا سوچے سمجھے اسلامی ممالک میں دودھ کے بنک قائم کرنا یورپ کی ایسی نقالی ہوگی جس کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوگا اور قرآنِ کریم نے یہ بتادیا کہ شراب اس لیے حرام کی گئی کہ:

﴿وَ إِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾---[البقرة،۲:۲۱۹]

اس خبیث شے میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی اور اس کا نقصان اس کے نفع سے بڑھا ہوا ہے، لہٰذا قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلم ممالک میں دودھ کے بنکوں کے قیام کو منع کیا جائے کہ ان کے قیام سے بھی فائدہ کم اور مفسدہ زیادہ ہے۔

بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی جو تنظیم اسلامی کانفرنس کے زیرِ اہتمام قائم ہونے والا ایک ادارہ ہے، اس کی کونسل کا دوسرا اجلاس جدہ میں مورخہ ۱۰/تا ۱۶/ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ، مطابق ۲۲/تا ۲۸/دسمبر ۱۹۸۵ء منعقد ہوا، اس اجلاس میں ''دودھ کے بنک'' کے موضوع پر فقہی اور طبی نقطہ ہائے نظر سے مقالات پیش کیے گئے، اکیڈمی کے ارکان نے دونوں قسم کے مقالات پر غور وخوض کیا اور اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث ومباحثہ کیا، جس سے واضح ہوا کہ:

اَوَّلاً: اِنَّ بُنُوْكَ الْحَلِيْبِ تَجْرِبَةٌ قَامَتْ بِهَا الْاُمَمُ الْغَرْبِيَّةِ ثُمَّ ظَهَرَتْ مَعَ التَّجْرِبَةِ بَعْضَ السَّلْبِيَّاتِ الْفَنِّيَّةِ وَ الْعَمَلِيَّةِ فِيْهَا فَانْكَمَشَتْ وَ قَلَّ الْاِهْتِمَامُ بِهَا---

ثَانِيًا: وَ اِنَّ الْاِسْلَامَ يَعْتَبِرُ الرَّضَاعَ لَحْمَةً كَلَحْمَةِ النَّسَبِ يَحْرُمُ بِهٖ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ بِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ مِنْ مَّقَاصِدِ الشَّرِيْعَةِ الْكُلِّيَّةِ الْمُحَافَظَةُ عَلَى النَّسَبِ، وَ بُنُوْكُ الْحَلِيْبِ مُؤَدِّيَةٌ اِلَى الْاِخْتِلَاطِ اَوِ الرِّيْبَةِ---

ثَالِثًا: اَنَّ الْعَلَاقَاتِ الْاِجْتِمَاعِيَّةَ فِي الْعَالَمِ الْاِسْلَامِيِّ تُوَفِّرُ لِلْمَوْلُوْدِ الْخَدِيْجِ اَوْ نَاقِصِ الْوَزْنِ اَوِ الْمُحْتَاجِ اِلَى اللَّبَنِ الْبَشَرِيِّ فِي الْحَالَاتِ الْخَاصَّةِ مَا يُحْتَاجُ اِلَيْهِ مِنَ الْاِسْتِرْضَاعِ الطَّبِيْعِيِّ الْاَمْرُ الَّذِيْ يُغْنِيْ عَنْ بُنُوْكِ الْحَلِيْبِ---

مندرجہ بالا عربی عبارات کا ترجمہ حسب ِذیل ہے:

❶ (خواتین کے) دودھ کے بنکوں کے قیام کا تجربہ سب سے پہلے مغربی اقوام نے کیا، اس تجربہ کے ساتھ سائنسی اور تکنیکی اعتبار سے اس کے کچھ منفی اثرات ظاہر ہوئے، جس کے بعد ان بنکوں کے قیام کا رجحان کم ہو گیا۔

❷ اسلام رضاعت کے ذریعے وجود میں آنے والے رشتے کو نسب کے رشتے کے برابر خیال کرتا ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ نسب کے ذریعے جو رشتے حرام ہوتے ہیں، وہ رضاعت کے ذریعے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ شریعت کے اہم مقاصد میں سے ایک نسب کی حفاظت ہے، جب کہ ''دودھ کے بنکوں'' کے نتیجے میں نسب مخلوط یا مشکوک ہو جاتا ہے۔

❸ عالم اسلام میں اجتماعی تعلقات کا نظام ایسا ہے کہ اگر کوئی بچہ حمل کی معروف مدت سے پہلے پیدا ہو جائے یا اس کا وزن کم ہو یا مخصوص حالات میں وہ انسانی دودھ کا محتاج ہو تو طبیعی طور پر اس کی دودھ کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، لہٰذا دودھ کے بنک قائم کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

چناں چہ مندرجہ بالا امور کی روشنی میں بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی کی کونسل نے اس مسئلہ پر ایک قرارداد کے ذریعہ شرعی فیصلہ اس طرح جاری کیا ہے:

قرارداد

① عالم اسلام میں خواتین کے دودھ کے بنک کے قیام کو روکا جائے۔

② ایسے بنک سے حاصل شدہ دودھ کے پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

مذکورہ بالا حوالاجات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہمارے ملک میں، بلکہ اسلامی ممالک میں انسانی (نسوانی) دودھ کے بنکوں کے قیام کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت''۔

❁❁❁❁❁

پس نوشت : مِلک بنک کے قیام کی خبر پڑھ کر درج بالا مضمون مرتب کیا گیا، اب کاپیاں پریس بھجوائی جا رہی تھیں تو یہ مسرت افزا خبر موصول ہوئی کہ ممکنہ ردّ عمل کے پیشِ نظر اس منصوبہ کو روک دیا گیا ہے۔

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ

پروفیسر سید ابوبکر غزنوی

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا تقاضا ہے کہ جو جو انہیں محبوب تھا، ہم بھی انہیں چاہیں اوران سے پیار کریں۔ جن جن سے تعلق خاطر تھا، ہم بھی ایک قلبی رابطہ ان سے محسوس کریں، اگر ہم ایسا محسوس نہیں کرتے تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہماری محبت میں نقص ہے اور ہزار ہم محبّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا دعویٰ کریں، اگر یہ کیفیت نہیں ہے تو یہ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض ایک فریبِ نفس ہے۔ جو لباس محبوب پہنتا ہے اور جس میں اس کی خوش بو بسی ہوتی ہے، جی کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ایک عاشق نے کہا:

اے گل بتو خورسندم تو بوئے کسے داری

''اے پھول! تو اس لیے بھلا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ سے یار کی خوش بو آتی ہے''---

اس گھر کے درو دیوار پر پیار آتا ہے، جس میں محبوب نے زندگی بسر کی ہو۔ قیس عامری کہتا ہے:

أَمُرُّ عَلَی الدِّیَارِ دِیَارِ لَیْلٰی
أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَ ذَا الْجِدَارَا
وَ مَا حُبُّ الدِّیَارِ شَغَفْنَ قَلْبِیْ
وَ لٰکِنْ حُبُّ مَنْ سَکَنَ الدِّیَارَا

’’میں لیلیٰ کے گھروں کے پاس سے گزرتا ہوں، کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں، کچھ ایسی بات نہیں کہ ان کے گھروں کے پتھروں اور اینٹوں پر ہی ریجھا ہوا ہوں، نہیں یہ تو اس کی محبت کا تقاضا ہے جو ان گھروں میں رہتا تھا‘‘---

وہ راہیں جن سے یار گزرتا ہے، ان راہوں پر پیار آتا ہے:

وہاں وہاں ابھی رقصاں ہے بوئے عنبر و گل
جہاں جہاں سے چمن میں بہار گزری ہے

قیس عامری کہتا ہے:

مِنْ آلِ لَیْلٰی وَ اَیْنَ لَیْلٰی

’’لیلیٰ اب کہاں ہے، لیلیٰ کے بچوں کے چہروں میں لیلیٰ کی جھلک دیکھتا ہوں‘‘---

یہ محبت کی عام عادات ہیں، محبت تو جہاں بھی ہوگی، اس کے برگ و بار یہی ہیں، ان کیفیتوں کا حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو سے جو پانی بچ جاتا، صحابہ کرام اس پر جھپٹ پڑتے۔[صحیح بخاری، کتاب الوضو، باب استعمال فضل وضوء الناس / نسائی، کتاب الطہارۃ، باب الانتفاع بفضل الوضوء]

صحابہ اسے تبرکاً اور تیمناً جسم سے ملتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب مبارک صحابہ کرام کے ہاتھوں پر گرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجامت کرواتے تو عاشقوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد ہجوم ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کو سر سے اترتے ہی اچک لیتے تھے۔

[صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی قرب النبی]

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان نشانیوں کو آخرت کا توشہ سمجھتے تھے اور مرنے کے

بعد بھی اپنے آپ ﷺ سے جدا نہ کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لاتے تو ان کی والدہ آپ ﷺ کے پسینے کو ایک شیشی میں محفوظ کر لیتیں اور اپنے عطر میں ملا لیتی تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ فوت ہونے لگے تو انہوں نے نصیحت کی:

''میرے لاشے میں حنوط ملو تو اس میں حضور ﷺ کے پسینے میں بسا ہوا عطر بھی ملا لینا''---[صحیح بخاری، کتاب الاستیذان]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آپ ﷺ کی ایک قمیص، ایک تہ بند، ایک چادر اور چند موئے مبارک تھے، انہوں نے وفات کے وقت وصیت کی کہ مجھے ان کپڑوں میں دفناؤ اور یہ موئے مبارک میرے ساتھ رکھو۔

ایک دن حضور اقدس ﷺ، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے، گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا، آپ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا، حضرت ام سُلیم نے مشکیزے کا دہانہ کاٹ کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا تھا کہ میرے آقا ﷺ کے مقدس ہونٹوں نے اس دہانے کو لمس کیا تھا۔[طبقات ابن سعد]

ہاں! تو میں عرض کر رہا تھا کہ محبوب کی ہر شے عزیز ہوتی ہے، اس کی گلیاں عزیز، اس کا آستانہ عزیز، اس کا پیرہن عزیز، اس کی جوتیاں عزیز، اس کا گھرانہ عزیز اور اس کے خادم عزیز۔ پس اس ذاتِ اطہر و اقدس ﷺ کی محبت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ اہلِ بیت سے محبت ہو۔ جیسا کہ خود رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی محبت کی بنا پر مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی بنا پر میرے گھرانے کے افراد سے محبت کرو''---[ترمذی]

پھر گھرانا بھی وہ کہ خود خدا آخری صحیفۂ آسمانی میں ان سے خطاب کرتا ہے اور ان کی طہارت و پاکیزگی کا اعلان فرماتا ہے:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا﴾---[الاحزاب،۳۳:۳۳]

''(اے پیغمبر ﷺ کے گھر والو!) خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے

ہر طرح کی گندگی دور کردے اور تمہیں ایسا پاک، صاف کردے جیسا کہ پاک، صاف کرنے کا حق ہوتا ہے“---

وہ جن کی عظمت وعزت کا یہ عالم کہ قرآن مجید میں ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہو۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo---[الاحزاب،۳۳:۵۶]

”بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے، پیغمبر ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو“---

تو ایک صحابی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ پر درود بھیجیں، آپ ہمیں حکم سکھائیں کہ ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ---[صحیح مسلم]

وہ جن کے مجد وشرف کا یہ مقام کہ حجۃ الوداع کے خطبے میں کتاب اللہ کے ساتھ آپ نے ان کا ذکر کیا:

”میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ چلا ہوں، اللہ کی کتاب اور میرے گھرانے کے افراد“---[صحیح مسلم]

وہ جن کی فضیلت کعبے کا دروازہ تھام کر آپ ﷺ نے یوں بیان فرمائی:

”دیکھو! میرے اہلِ بیت کی مثال تم میں کشتیٔ نوح کی سی ہے، جو اس میں سوار ہوا بچ گیا، جو اس سے دور رہا ہلاک ہو گیا“---[مسند امام احمد، عن ابی ذر]

وہ جن کے احترام کو ملحوظ رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی:

”کتاب اللہ اور اہلِ بیت ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے، حتیٰ کہ وہ حوض کوثر میں میرے پاس پہنچ جائیں گے، پس خیال رکھنا کہ میرے بعد

تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو‘‘---

بالخصوص حضرات امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما سے آپ کو ایک خاص قلبی لگاؤ تھا، ان کی پیدائش کے وقت خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے کان میں اذان دی تھی اور اپنا لعاب مبارک ان کے دہن میں ڈالا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہیں چومتے تھے اور سینے سے لگا کر بھینچتے تھے۔

وہ لوگ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انوار و برکات کی معرفت حاصل ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کیسی سعادتِ عظمیٰ ہے، جو حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے حصے میں آئی۔ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں جن کی محبوبیت کا یہ عالم کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمائیں:

’’حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) یہ میرے بیٹے، میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما‘‘---

وہ جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمائیں:

’’حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں‘‘---[ترمذی]

وہ جن پر آپ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، حضرات حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) سرخ قمیص پہنے ہوئے آئے اور چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منبر سے اترے اور دونوں کو گود میں اٹھایا اور فرمایا:

’’میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں تو............اپنی بات قطع کرتے ہوئے میں نے انہیں اٹھا لیا‘‘---

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر پانچ برس اور بعض روایتوں کے مطابق سات برس تھی۔ البدایة و النهایة میں ہے:

’’حضرت صدیق اکبر، حضرت امام حسین کا احترام کرتے تھے اور ان کی تعظیم بجالاتے تھے اور یہی حال حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا تھا‘‘---

یہ بیان حضرت حافظ ابنِ کثیر کا ہے، جو نہایت محتاط مؤرخ اور بلند پایہ محقق ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ حضرت ابوبکر ان سے محبت کرتے تھے، بلکہ اس پانچ سات سال کے بچے کی تعظیم بجالاتے تھے۔ اسی طرح تمام صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کا غایت درجہ احترام کرتے تھے۔ ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ

سے ملے اور کہا ذرا پیٹ کھولیے، جہاں حضور سرورِ عالم ﷺ نے بوسہ دیا تھا، وہیں میں بھی بوسہ دوں گا۔انہوں نے پیٹ سے کپڑا اٹھایا اور آپ نے وہیں بوسہ دیا۔[مسند امام احمد]

ایک بار بہت سے لوگ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے، اتفاق سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ادھر آ نکلے، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے، میں تمہیں بتاؤں کہ زمین پر رہنے والوں میں سے آج آسمان والوں کو کون سب سے زیادہ محبوب ہے، یہی جو جارہا ہے۔

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو جو محبت اور عقیدت حضرات امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما سے تھی، اس کا سر چشمہ وہی عشق اور والہانہ شیفتگی تھی جو صحابہ کرام کو حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی سے تھی۔

اک بات اس میں پائی تھی شوخیٔ یار کی
ہم نے بھی اپنی جان لڑا دی قضا کے ساتھ

پس جس گھرانے کی محبوبیت کا یہ عالم ہو، اس کی محبت اور یاد میں جو صبحیں اور شامیں بسر ہو جائیں، حاصل عمر رائیگاں ہیں۔ان کی مدح و توصیف میں جس قدر بھی زبانیں زمزمہ پیرا ہوں، کم ہے۔ان کی یاد روح کی پاکیزگی اور دل کی طہارت ہے۔

ساتھیو! اپنے حریم دل میں جھانک کر دیکھو، اگر اس دل میں اہلِ بیت کی محبت اور بالخصوص حسین بن فاطمہ (رضی اللہ عنہما) کی محبت نہیں پاتے ہو تو تم یقین کرلو کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمہاری محبت بھی محض فریبِ نفس ہے۔صحابہ کرام کو دیکھو کہ آپ ﷺ کا پسینہ، آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی، آپ ﷺ کے موئے مبارک، حتیٰ کہ آپ ﷺ کا لعاب دہن بھی انہیں عزیز تھا۔ پھر آہ صد ہزار آہ و حرمان! اگر تم اپنے سینوں کو حسین بن فاطمہ بنت محمد ﷺ کی محبت و تعظیم سے خالی پاتے ہو، یہ بہت بڑی محرومی ہے اور شقاوت۔تم یقین کرو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اگر تمہارے رگ و پے میں اتر جائے تو تم ان کے غلاموں کے غلاموں کا بھی ادب کرو۔

آہ! یہ کیسی للّٰہیت کی موت اور ایمان کی جان کنی ہے کہ بعض علمائے دین، منبرِ رسول ﷺ پر کھڑے ہو کر اس محبوبِ بارگاہِ رسالت، اس جگر گوشۂ بتول کا ذکر حقارت آمیز لہجے میں کرتے ہیں، وہ گھرانہ جس سے تم نے فیض حاصل کیا، وہ جن کی جوتیوں کے صدقے میں تمہیں ایمان و اسلام کی معرفت حاصل ہوئی، تم کو کیا ہوا کہ تم ان ہی کی عیب چینیاں کرتے ہو،

پھر اس عیب چینی اور خردہ گیری کے لیے تمہیں رسول اللہ ﷺ کے منبر کے سوا اور کوئی جگہ نہیں ملتی، پھر تم اپنے لب ولہجہ کو تو دیکھو، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شمر بن ذی الجوشن، یزید اور ابنِ زیاد نے اہلِ بیت کے خلاف مقدمے میں تمہیں اپنا وکیل بنالیا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

''جو میرے کسی ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہوں''---

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ولی ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے؟ وہ صحابی بھی تھے اور اہلِ بیت میں سے بھی تھے۔ وہ صرف صحابی ہی نہ تھے، جلیل القدر علماء صحابہ میں سے تھے۔ وہ صرف اہلِ بیت میں سے ہی نہ تھے، محبوبِ بارگاہِ رسالت ﷺ تھے۔ پس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کہ شان میں گستاخی، ان کی تنقیص، ان کے بارے میں سوءِ ادب، سراسر موجبِ حرماں ہے۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

ساتھیو! تمہارا محض جی بہلانے کے لیے یا تمہیں خوش کرنے کے لیے تو میں نہیں لکھتا ہوں۔ خدا محض اپنی رضا اور خوش نودی کے لیے لکھنے کی توفیق عطا فرمائے، تمہاری رنجش اور خوش نودی سے کیا ہوتا ہے:

از رد و از قبولِ تو فارغ نشستہ ایم
اے آں کہ خوب را نہ شناسی ز زشتِ ما

وہ بیماریاں جو تم میں اور مجھ میں نہیں ہیں، میں ان پر بات کیوں کروں کہ ایسا کرنا محض تضییعِ اوقات ہے، لکھنے کا مقصد تو اصلاحِ حال ہے، کبھی مادہ فاسد کے اخراج کے لیے جراحی کا عمل ناگزیر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نشتر لگتا ہے تو مریض کو تکلیف تو ہوتی ہے مگر یہ تکلیف بڑی سود مند ہے۔ **دوستو**!

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

❁❁❁❁❁

ممکن نہیں ہے نام مٹانا حسین رضی اللہ عنہ کا

شیدائی ہو گیا ہے زمانہ حسین رضی اللہ عنہ کا
ہر لب پہ گونجتا ہے ترانہ حسین رضی اللہ عنہ کا

نانے کا پیارا دین بچانے کے واسطے
اترا ہے کربلا میں گھرانہ حسین رضی اللہ عنہ کا

چشمِ فلک نے دیکھا ہے کربل کی ریت پر
صبر و رضا سے پیاس بجھانا حسین رضی اللہ عنہ کا

آتا ہے یاد مجھ کو وہ نیزے کی نوک پر
قرآن کربلا میں سنانا حسین رضی اللہ عنہ کا

شیرِ خدا ہے باپ تو خیر النساء ہے ماں
اور فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے نانا حسین رضی اللہ عنہ کا

نامِ یزید مٹ گیا ، برباد ہو گیا
ممکن نہیں ہے نام مٹانا حسین رضی اللہ عنہ کا

منظر یہ آسماں نے تھا دیکھا بچشمِ نم
لاشے پہ لاشہ جا کے اٹھانا حسین رضی اللہ عنہ کا

ہر شخص جانتا ہے یہ کارِ عظیم تھا
اسلام کربلا میں بچانا حسین رضی اللہ عنہ کا

یہ شانِ سجدہ یاد رہے گی نماز کو
عین اس گھڑی میں سر کو کٹانا حسین رضی اللہ عنہ کا

انسانیت کا مرتبہ ساجدؔ بڑھا گیا
ظالم کے آگے سر نہ جھکانا حسین رضی اللہ عنہ کا

محمد امین ساجد سعیدی
(صدارتی ایوارڈ یافتہ)

❀❀❀❀❀

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی اخلاقی عظمت

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

اہلِ بیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نواسۂ رسول سیدنا امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی عظیم شخصیت صرف اہلِ اسلام کے عوام وخواص ہی نہیں، غیر مسلموں کے نزدیک بھی چنداں محتاجِ تعارف نہیں۔ انہیں یہ عظمت ورفعت اور چہار دانگِ عالم میں شہرت محض وہبی فضائل ومناقب (مثلاً: اہلِ بیتِ رسول میں پیدا ہونا، براہِ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ ہونا، نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حد درجہ محبت وشفقت کا ملنا، سیدۃ نساء اھل الجنۃ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا لختِ جگر اور حیدرِ کرار سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نورِ نظر ہونا، شکل وشباہت اور چال ڈھال میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہونا، قریش اور سادات میں سے ہونا، مدینہ منورہ میں پیدا ہونا وغیرہ) کی بنیاد پر نہیں، بلکہ ان کے کسبی کمالات مثلاً: اخلاقی پاکیزگی، مکارمِ اخلاق، خدمتِ اسلام اور راہِ خدا میں اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی شہادت اور منفرد ایثار وقربانی وغیرہ کی بدولت ہے۔

تذکرہ نگاروں کے مطابق سیدنا امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی ولادت (شعبان 4ھ) پر

نبیٔ رحمت ﷺ نے اپنا لعابِ دہن ملا کر انہیں گھٹی ڈالی اور خود زبانِ نبوت سے ان کے کان میں اذان (اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر) کہی۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے میدانِ کربلا میں جس طرح اس اذان اور لعابِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نوش کرنے اور نواسۂ رسول ﷺ ہونے کی لاج رکھی اور اس موقع پر راہِ عزیمت اختیار کرتے ہوئے جس جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا، جس انداز میں اسلامی نظامِ خلافت کے احیاء کی خاطر قربانی دینے اور جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی مثال قائم کی اور شدید مصائب برداشت کیے، اس کی نظیر انسانی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ میدانِ کربلا میں آپ کی، آپ کے اہلِ خانہ کی اور آپ کے جملہ اعوان و انصار کی اسی غیر معمولی ثابت قدمی، جوان مردی، وفا شعاری، شدائد و مصائب اور انتہائی مظلومیت کی شہادت نے مؤرخین، تذکرہ نگاروں اور سوانح نگاروں کی زیادہ تر توجہ کو آپ کی مظلومانہ شہادت اور کربلا میں پیش آنے والے افسوس ناک بلکہ الم ناک واقعات اور مصائب کی طرف مبذول کیے رکھا۔ اسی پس منظر میں زبانِ نبوت سے بیان ہونے والی آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت، شفقت و محبتِ نبوی ﷺ اور وہبی کمالات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی، مگر آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے اخلاقی امور، معاشرتی پہلو اور دیگر معاملات کو بہت کم اجاگر کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ کبار مؤرخین مثلاً: صاحبِ اسد الغابة فی معرفة الصحابة، صاحبِ الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، صاحبِ الاصابة فی تمییز الصحابة اور ابنِ کثیر وغیرہ کے ہاں بھی امام حسین رضی اللہ عنہ کی زندگی کے علمی، اخلاقی و معاشرتی پہلو پر بہت کم مواد ملتا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا یہ گوشہ تشنہ سا لگتا ہے۔ مشہور مؤرخ شاہ معین الدین احمد ندوی نے اس کمی کا شکوہ یوں کیا ہے:

> ’’تمام اربابِ سیر آپ رضی اللہ عنہ کے کمالاتِ علمی کے معترف ہیں۔ علامہ ابن عبد البر، امام نووی، علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر اربابِ سیر اس بات پر متفق ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ بڑے فاضل تھے، لیکن افسوس اس اجمالی سند کے علاوہ واقعات کی صورت میں ان کمالات کو کسی سیرت نگار نے قلم بند نہیں کیا‘‘---[1]

بالکل یہی حال ان کی اخلاقی عظمت و پاکیزگی اور حسنِ اخلاق کا ہے۔ سیرتِ حسین رضی اللہ عنہ

کا یہ پہلو جس تفصیل وتشریح کا متقاضی تھا، وہ عام تذکروں میں نہیں پائی جاتی، جب کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شہادت کے وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً چھپن سال ہو چکی تھی۔ چھپن سال کا یہ عرصہ آپ نے خیر القرون میں اسلامی، بلکہ انسانی تاریخ کے سب سے بہترین معاشرے میں گزارا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت بھی صاحبِ خلقِ عظیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود فرمائی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے جس عظیم ماں کی گود میں پرورش پائی اس کی پاک دامنی اور طہارت پر قرآن وحدیث گواہ ہیں، نانا جان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ کی تعلیم وتربیت اس باپ رضی اللہ عنہ نے فرمائی، جو علم وعمل کا مجمع البحرین تھے اور جن کے علمی وعملی کمالات اور فضائل ومحاسن پر قرآن وحدیث کے علاوہ تاریخِ اسلام کی گواہی ثبت ہے۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی تعلیم وتربیت کے درج بالا خدائی انتظامات اور خود قرآن وسنت پر عبور حاصل ہونے کے بعد کیسے ممکن تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ ایک عظیم اور اسلامی تعلیمات کے مطابق معاشرتی اخلاق و آداب کی حامل شخصیت کا درجہ نہ پاتے۔ چنانچہ آپ کی اخلاقی عظمت ورفعت کے حوالے سے بعض ایمان افروز چیزیں، شروحِ حدیث، تذکرہ، تاریخ اور سوانح وغیرہ کی کتابوں میں جستہ جستہ مل جاتی ہیں۔ اس لیے آئندہ سطور میں ہم آپ کے عمومی فضائل ومناقب، ذوقِ عبادت، علمی فضائل وکمال، سوانحِ حیات، المناک شہادت اور واقعاتِ کربلا (جن پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے) کی بجائے آپ رضی اللہ عنہ کی اخلاقی عظمت کی چند ایمان افروز جھلکیاں پیش کرنے کی کوشش کریں گے:

اہلِ بیت کی ہمہ جہت پاکیزگی کے لیے دعاء نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی عملی اور معاشرتی زندگی میں جن مکارمِ اخلاق یا جس بلند اخلاقی اور حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کیا، اس میں جہاں ان کی خاندانی شرافت ونجابت، حسب ونسب، پاکیزہ گھریلو ماحول، خانوادۂ نبوت کی تعلیم وتربیت، صحبتِ صحابہ اور مدینہ منورہ کے عمومی پاکیزہ ماحول کا عمل دخل تھا، وہاں ان کی اخلاقی پاکیزگی میں خصوصی دعاءِ نبوی بھی کارفرما تھی:

عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِیْ سَلَمَۃَ رَبِیْبِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ھٰذِہِ الْآیَۃُ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ أَھْلَ الْبَیْتِ وَ

يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا [الأحزاب، 33:33] فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ فَدَعَا فَاطِمَةَ، وَحَسَنًا، وَحُسَيْنًا، فَجَلَّلَهُمْ بِكِسَاءٍ، وَعَلِيٌّ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَجَلَّلَهُ بِكِسَاءٍ، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ، هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي، فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا---[۲]

''حضور نبیِ اکرم ﷺ کے پروردہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اُم المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر حضور نبیِ اکرم ﷺ پر یہ آیت ''إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا'' نازل ہوئی، تو آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلایا اور انہیں ایک کملی میں ڈھانپ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے تھے، آپ ﷺ نے انہیں بھی کملی میں ڈھانپ لیا، پھر فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، پس ان سے ہر قسم کی آلودگی دور فرما اور انھیں خوب پاک وصاف کر دے''---

مذکورہ بالا روایت میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اہلِ بیتِ اطہار سے جس ''الرجس'' (پلیدی) دور کیے جانے کی بطور خاص دعا فرمائی، اس لفظ کے معنی پر ایک نظر ڈال لینا بے جا نہ ہوگا، تاکہ اس کی وسعت کا کچھ اندازہ ہو جائے۔ الفاظِ قرآن مجید کے لغوی معانی کے لیے مستند ترین ماخذ ''المفردات فی غریب القرآن'' میں علامہ راغب اصفہانی نے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

اَلرِّجْسُ: الشَّيْءُ الْقَذِرُ .... وَالرِّجْسُ يَكُونُ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ: إِمَّا مِنْ حَيْثُ الطَّبْعِ، وَإِمَّا مِنْ جِهَةِ الْعَقْلِ، وَإِمَّا مِنْ جِهَةِ الشَّرْعِ، وَإِمَّا مِنْ كُلِّ ذٰلِكَ كَالْمَيْتَةِ---[۳]

''رجس گندی، پلید، میلی اور قابل نفرت چیز کو کہتے ہیں..........اب کسی چیز کا گندہ یا پلید ہونا چار وجہ سے ہوسکتا ہے: یا تو طبعی اعتبار سے وہ چیز گندی ہوگی یا عقل کی جہت سے یا شرعی اعتبار سے یا اس کا گندا ہونا ان ساری وجوہ کی بنیاد پر ہوگا جیسے مردار کا گندا اور قابلِ نفرت ہونا''---

جب کہ مشہور شارحِ حدیث علامہ نووی نے لفظ ''الرجس'' کا معنی یہ بتایا ہے کہ:

اَلرِّجْس .... قِیْلَ ھُوَالشَّكُّ وَ قِیْلَ الْعَذَابُ وَ قِیْلَ الْاِثْمُ قَالَ الْاَزْھَرِیُّ : اَلرِّجْسُ اِسْمٌ لِکُلِّ مستقذر من عمل---[۴]

''رجس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ شک ہے، اس کا معنی عذاب اور گناہ بھی کیا گیا ہے اور علامہ ازہری کہتے ہیں کہ رجس کا اطلاق ہر گندے اور ناپاک عمل پر ہوتا ہے''---

اور ملا علی قاری نے ''الرجس'' کا معنی اَلْاِثْمَ وَ کُلَّ مَا یُسْتَقْذَرُ مُرُوْءَۃً بتایا ہے۔[۵]
یعنی ہر ظاہری و باطنی گناہ اور ہر وہ عمل جو انسانی مروّت کے خلاف ہو۔

اس دعائے نبوی کا فیض تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اخلاقی عظمت کے اعتبار سے اسی بلند درجہ پر فائز تھے جو آپ کے شایانِ شان تھا۔ چنانچہ نامور تذکرہ نگار ابن الاثیر نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عمومی اخلاق و عادات اور خصائل کی طرف اجمالی طور پر یوں اشارہ کیا ہے:

فَاضِلًا کَثِیْرَ الصَّوْمِ ، وَ الصَّلَاۃِ ، وَ الْحَجِّ ، وَ الصَّدَقَۃِ ، وَ أَفْعَالِ الْخَیْرِ جَمِیْعِھَا---[٦]

''حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بڑی فضیلت کے مالک، کثرت سے روزہ، نماز، حج ادا کرنے والے، صدقہ دینے والے اور تمام افعالِ خیر سرانجام دینے والے تھے''---

اب ذیل میں ان کے معاشرتی اخلاق و آداب اور حسنِ اخلاق کے حوالے سے درج بالا اجمال کی ایمان افروز تفصیل ملاحظہ ہو:

❶...... بڑے بھائی کا ادب و احترام

اسلامی اخلاق و آداب کی رو سے چھوٹے بھائیوں پر اپنے بڑے بھائی کا ادب و احترام اسی طرح لازم ہے جس طرح والدِ محترم کا احترام لازم ہوتا ہے۔ چھوٹے بھائیوں کے سامنے بڑے بھائی کا مرتبہ و مقام شرعی نقطۂ نظر سے والد کے برابر ہے، چنانچہ اس چیز کی وضاحت اور تعلیم امت کی خاطر معلم اخلاق اور صاحبِ خلقِ عظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں فرمایا:

حَقُّ کَبِیْرِ الْاُخْوَۃِ عَلٰی صَغِیْرِھِمْ حَقُّ الْوَالِدِ عَلٰی وَلَدِہٖ---[۷]

''تمام بھائیوں میں بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائیوں پر اُس حق کے برابر ہے جو والد کو اپنی اولاد پر حاصل ہے''---

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا جان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے کس طرح اپنے بڑے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا دل کی گہرائیوں سے احترام کیا، اس کا نمونہ ملاحظہ ہو:

①...... بڑے بھائی سے برابری پسند نہ کرنا

بڑا بھائی چھوٹے بھائی کے سامنے بنفسِ نفیس موجود ہو تو حیا کا تقاضا ہوتا ہے کہ چھوٹا بڑے کا احترام کرے، جب کہ سامنے موجود نہ ہونے کی صوت میں عموماً اس چیز کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا، مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بڑے بھائی جان حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ادب واحترام کو غائبانہ طور پر بھی ملحوظ رکھا۔ چنانچہ مشہور مؤرخ ابن قتیبہ نے یہ ایمان افروز اور سبق آموز واقعہ لکھا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر سوال کیا (بھیک مانگی)، تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: دیکھو بھیک مانگنا جائز نہیں سوائے بہت زیادہ مقروض یا محتاج بنا دینے والے فقر یا بہت زیادہ تاوان کی شکل میں، تو اس آدمی نے عرض کیا: میں اسی قسم کا ایک مسئلہ درپیش ہونے کی صورت میں آپ کے پاس آیا ہوں۔

اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے اسے سو دینار دینے کا حکم فرمایا۔ پھر وہ آدمی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ سے بھی سوال کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بھی بھیک کے معاملے میں اس سے وہی بات فرمائی جو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی۔ اس نے وہی جواب دیا جو وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دے چکا تھا۔ تو آپ نے پوچھا: انہوں نے تجھے کتنی رقم دی؟ اس نے بتایا سو دینار۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے ایک دینار کم کرتے ہوئے (ننانوے) دینار اسے دے دیے اور اس بات کو پسند نہ فرمایا کہ بڑے بھائی کے ساتھ اس معاملے میں برابری کریں۔ پھر اس آدمی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر سوال کیا۔ انہوں نے بغیر کچھ پوچھے اسے سات دینار دے دیے۔ اس پر اُس نے کہا: میں حضرت امام حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے پاس گیا تھا اور ان سے پیش آنے والا سارا مذکورہ واقعہ بیان کیا تو حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ

نے فرمایا:

وَیْحَكَ ! وَ أَنِّیْ تَجْعَلُنِیْ مِثْلَھُمَا أَ نَّھُمَا غُرَّا الْعِلْمِ غُرَّا الْمَالِ---[۸]

''تیرے اوپر تعجب ہے تو مجھے اُن کی مثل کیسے بنا رہا ہے، بے شک وہ دونوں بھائی علم اور مال کا دریا ہیں''---

۲...... داخلۂ جنت کے موجب عمل میں بھی بھائی سے سبقت نہ کرنا

کسی بھلائی کے عمل اور کارِ خیر میں باہمی مسابقت اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا شریعت میں ایک پسندیدہ اور مطلوب امر ہے، مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے بڑے بھائی امام حسن رضی اللہ عنہ کے احترام میں یہ بات بھی پسند نہ تھی۔ چنانچہ مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یَّھْجُرَ أَخَاہُ فَوْقَ ثَلَاثِ لِیَالٍ وَّ السَّابِقُ السَّابِقُ إِلَی الْجَنَّۃِ---

''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ تین راتوں سے زیادہ اپنے بھائی سے ملاقات اور بات چیت چھوڑے رکھے اور اس معاملے (گفتگو اور ملاقات) میں پہل کرنے والا جنت میں پہلے جانے والا ہوگا''---

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں بھائیوں کے درمیان باہمی کوئی جھگڑا اور بات چیت بند ہے، تو میں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: لوگ تم دونوں بھائیوں کو اپنا مقتدا سمجھتے ہیں اور تم آپس میں قطع تعلقی کر کے بیٹھے ہو، لہٰذا آپ اُٹھیے اور اپنے بھائی کے پاس جا کر ان سے بات چیت کیجیے، کیونکہ آپ ان سے عمر میں چھوٹے ہیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی کہ السابق السابق الی الجنۃ (بول چال میں سبقت کرنے والا جنت میں بھی سبقت لینے والا ہوگا) تو میں ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، مگر میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ میں ان سے پہلے جنت میں داخل ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے یہ مخلصانہ جذبات سن کر میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور انہیں مذکورہ بات چیت سے آگاہ کیا، تو

انہوں نے فرمایا:

صَدَقَ اَخِیْ --- ''میرے بھائی نے سچ کہا''---

اس کے بعد کھڑے ہو گئے اور اپنے بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر ان سے گفتگو کی اور یوں دونوں بھائیوں کے درمیان صلح ہو گئی۔[۹]

❷...... خلقِ خدا کی حاجات کو پورا کرنا

کسی بھی قسم کی مذہبی، نسلی، علاقائی اور لسانی تمیز و تفریق کے بغیر تمام خلقِ خدا اور انسانیت کی خدمت، ان کی حاجات و ضروریات کو پورا کرنے اور ان کے کام آنے کا اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی رُو سے کیا مرتبہ ہے؟ اسلام نے اس سلسلے میں اپنے ماننے والوں کو کتنی تاکید کی ہے؟ پھر اس حوالے سے خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمۃ للعالمین اور رؤف رحیم ذات اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سمیت دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل کیا تھا؟ (جن کی تفصیل ایک الگ مستقل مضمون کی متقاضی ہے) یہ سب چیزیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے تھیں۔ علاوہ ازیں فیاضی و سخاوت اور ایثار جیسی خوبیاں آپ کو ورثے میں ملی تھیں۔ اس لیے کمال فیاضی اور ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے خلقِ خدا کی حاجات کو پورا کرنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا عام معمول تھا۔

چنانچہ حافظ ابنِ عساکر نے ابو ہشام القناد البصری کی زبانی یہ چشم دید گواہی نقل کی ہے کہ میں (ابو ہشام) حضرت حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس بصرہ سے سامان (متاع) فروخت کے لیے لایا کرتا تھا۔ آپ اس میں جھگڑ کر مجھ سے قیمت کم کراتے، پھر میرے وہاں سے اٹھنے سے پہلے پہلے اس سامان کا زیادہ تر حصہ لوگوں کو عنایت فرمایا کرتے۔ میں نے عرض کیا: اے رسول اللہ کے بیٹے! میں آپ کے پاس بصرہ سے سامان لاتا ہوں آپ باقاعدہ اصرار کر کے اور جھگڑا کر کے اس میں قیمت کم کراتے ہیں اور پھر میرے اٹھنے سے پہلے پہلے اس کا زیادہ تر حصہ لوگوں میں تقسیم بھی کر دیتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے والد گرامی نے مجھے یہ مرفوع حدیث سنائی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمَغْبُوْنُ لَا مَحْمُوْدٌ، وَلَا مَأْجُوْرٌ---[۱۰]

''جو آدمی سودے یا لین دین میں دھوکا کھا جائے وہ قابلِ ستائش ہے نہ قابلِ اجر''---

اب ذیل میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس انتہائی عمدہ وصف اور انتہائی خوبی کی چند ایمان افروز اور سبق آموز جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

①...... ایک مرتبہ ایک سائل مدینہ منورہ کی گلیوں میں گھومتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا، دستک دی اور اپنی حاجت کا درج ذیل اشعار کی صورت میں یوں اظہار کیا:

لَمْ یَخِبِ الْیَوْمَ مَنْ رَّجَاكَ وَ مَنْ حَرَّكَ مِنْ خَلْفِ بَابِكَ الْحَلْقَهْ

وَ أَنْتَ جُوْدٌ وَ أَنْتَ مَعْدِنُهٗ أَبُوْكَ مَا كَانَ قَاتِلُ الْفَسَقَهْ

’’آج آدمی نامراد واپس نہیں جائے گا جو آپ کے پاس امید لے کر آیا ہے اور جس نے آپ کے دروازے کا حلقہ کھٹکھٹایا ہے، آپ سراپا بخشش اور جود و کرم کی کان ہیں، آپ کا باپ وہ عظیم شخص تھا جس نے فاسقوں سے جنگ فرمائی تھی‘‘---

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اس وقت نماز میں مصروف تھے، دروازے کی دستک اور سائل کی حاجت انہوں نے نماز میں سن لی۔ نماز میں تخفیف کی اور باہر تشریف لائے۔ دیکھا کہ سائل کے چہرہ پر واقعی فقر و فاقہ کے آثار ہیں۔ آپ نے واپس آ کر اپنے غلام کو بلایا اور فرمایا کہ ہمارے نفقہ میں سے تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا کہ دو سو درہم ہیں۔ جن کے متعلق آپ کی ہدایت ہے کہ انہیں آپ کے اہلِ خانہ پر خرچ کر دوں۔ آپ نے فرمایا:

’’وہ سب درہم لاؤ، کیونکہ ان سے زیادہ حق دار آدمی آ گیا ہے‘‘---

پھر ان دراہم کو پکڑ کر باہر نکلے اور انہیں اس اعرابی (سائل) کو دیتے ہوئے فی البدیہہ یہ اشعار کہے:

خُذْهَا وَ إِنِّیْ إِلَیْكَ مُعْتَذِرٌ وَ اعْلَمْ بِأَنِّیْ عَلَیْكَ ذُوْ شَفَقَهْ

لَوْ كَانَ فِیْ سَیْرِنَا عَصًا تُمَدُّ إِذًا كَانَتْ سَمَانَا عَلَیْكَ مُنْدَفِقَهْ

لٰكِنَّ رَیْبَ الْمَنُوْنِ ذُوْ نَكَدٍ

وَ الْكَفُّ مِنَّا قَلِیْلَةُ النَّفَقَهْ [11]

②...... خلقِ خدا کی حاجت براری سے متعلق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ایک اور ایمان افروز اور انتہائی ایثار و ہمدردی پر مبنی واقعہ نامور صوفی حضور داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں یوں نقل کیا ہے کہ ایک دن ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور عرض کیا:

اے رسولِ خدا ﷺ کے فرزند! میں ایک درویش اور بال بچے دار آدمی ہوں، اس لیے آج رات آپ سے کھانے اور مدد کا طلب گار ہوں۔ حضرت امام حسین رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا: تم بیٹھ جاؤ، ہمارا وظیفہ (شام سے) آ رہا ہے۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے پانچ تھیلیاں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئیں۔ ہر تھیلی میں ایک ہزار دینار (سونے کی اشرفیاں) موجود تھا۔ لانے والے اہل کاروں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ سے معذرت کر رہے تھے اور فرماتے تھے کہ ان دیناروں کو خرچ فرمائیے، بعد میں مزید بھیج دیے جائیں گے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مذکورہ درویش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اہلِ خانہ سے فرمایا کہ یہ تمام تھیلیاں اسے دے دی جائیں۔ پھر اس درویش سے معذرت بھی چاہی کہ میں نے تجھے اتنی دیر تک بٹھائے رکھا، اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ یہ رقم اتنی تھوڑی ہوگی تو تجھے انتظار نہ کراتے۔ اس لیے ہمیں معذور سمجھو کہ ہم اہلِ آزمائش میں سے ہیں اور دنیا کی ہر راحت سے باز آ گئے ہیں اور اپنی دنیا کی تمام مرادیں ہم نے گم کر دی ہیں اور اپنی زندگی دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے وقف کر دی ہے۔

❸...... حدیث نبوی کے پیش نظر سواری پر مالک کے آگے بیٹھنے سے گریز

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خاندانی عظمت وشرافت اور ذاتی فضائل ومناقب کے پیشِ نظر حضرات ابوبکر وعمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ ان کی تعظیم وتکریم فرماتے اور ان کا حد درجہ احترام فرماتے تھے۔[۱۲]

مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا اپنا طرزِ عمل اور سوچ یہ تھی کہ اس تعظیم میں کہیں اسلامی اخلاق وآداب کے خلاف کوئی کام واقع نہ ہو جائے۔ اس عظیم سوچ اور بلند اخلاق پر مبنی ایک سبق آموز واقعہ ملاحظہ ہو، جسے مشہور محدث علامہ نور الدین ہیثمی نے امام محمد باقر بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم کی زبانی یوں نقل کیا ہے:

ایک مرتبہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے باہر مقام حَرّہ کے قریب واقع اپنی زمین کی طرف جانے کے لیے نکلے تو راستے میں مشہور صحابی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے انہیں پالیا، وہ اپنی سواری (خچر) پر سوار تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو پیدل چلتے دیکھ کر سواری سے اتر پڑے اور سواری کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قریب کرتے ہوئے عرض کیا:

اے عبداللہ! آپ اس پر سوار ہو جائیے۔ مگر آپ نے سواری پر بیٹھنے کو ناپسند فرمایا۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے اصرار کے باوجود جب آپ سوار نہ ہوئے تو انہوں نے قسم اٹھا لی کہ آپ کو ہر قیمت پر سوار ہونا ہوگا۔ اب سوار ہونے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا، تاہم فرمایا: تم نے قسم اٹھا کر مجھے تکلیف میں ڈال دیا۔ اب یوں کیجیے کہ آپ سواری کے آگے بیٹھیں، میں آپ کے پیچھے بیٹھوں گا، کیونکہ میں نے اپنی امی جان (سیدہ فاطمۃ الزہرا بنت محمد رضی اللہ عنہا) کو یہ حدیث نقل کرتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلرَّجُلُ أَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِهٖ، وَ صَدْرِ فِرَاشِهٖ، وَ الصَّلَاةِ فِيْ مَنْزِلِهٖ إِلَّا مَا يُجْمَعُ النَّاسُ عَلَيْهِ---

”آدمی اپنے چوپائے (سواری) کے اگلے حصے پر بیٹھنے کا زیادہ حق دار ہوتا ہے، اسی طرح بستر کے اگلے حصے پر بیٹھنے کا زیادہ حق دار صاحبِ فراش ہے، جب کہ گھر میں باجماعت نماز پڑھنے کی صورت میں صاحبِ خانہ امامت کرانے کا زیادہ حق دار ہے“---

اس پر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا نے بالکل سچ فرمایا ہے، میں نے اپنے باپ بشیر کو بھی اسی طرح کہتے سنا ہے، جیسا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:

إِلَّا مَنْ أَذِنَ---

”مگر وہ آدمی جس کو مالک اجازت دے“---

یہ سن کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سواری پر سوار ہو گئے۔ [۱۳]

④...... گرا ہوا لقمہ کھانے پر غلام کو آزاد فرما دینا

درج بالا قسم کی اخلاقی عظمت کا ایک اور ایمان افروز واقعہ محب الدین الطبری نے یوں نقل کیا ہے:

حضرت امام علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایک دفعہ قضائے حاجت کے لیے باہر نکلے، غلام ساتھ تھا۔ راستے میں گرا ہوا کھانے کا ایک لقمہ پایا تو اسے اٹھا کر غلام کو پکڑایا اور فرمایا: واپسی پر مجھے یاد دلانا۔ مگر غلام نے وہ لقمہ کھا لیا۔

قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے تو غلام سے اس لقمہ کے بارے میں پوچھا۔ اس نے عرض کیا: میرے مولا! میں نے وہ لقمہ کھا لیا ہے۔ فرمایا: جا تو اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔ پھر فرمایا:

سَمِعْتُ جَدِّیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: مَنْ وَّجَدَ لُقْمَۃً مُّلْقَاۃً فَمَسَحَ أَوْ غَسَلَ ثُمَّ أَکَلَھَا أَعْتَقَہُ اللّٰہُ مِنَ النَّارِ---

''میں نے اپنے جدامجد رسول اللہ ﷺ کو یہ بات فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس آدمی نے کوئی گرا پڑا لقمہ پایا، پھر اسے صاف کر کے یا دھو کر کھا لیا، تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے آزاد فرما دے گا''---

اس فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق جس آدمی کو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے آزاد فرما دے تو میں کیوں کر اسے غلام بنا سکتا ہوں۔[۱۴]

❺...... کمال تواضع و انکساری

اسلامی اخلاق و آداب اور اوصاف میں تواضع و انکساری کو جو اہمیت حاصل ہے، نیز اسلامی تعلیمات میں اس کی جتنی تاکید آئی اور اس سلسلے میں خود پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو مثالی نمونہ چھوڑا ہے، یہ سب چیزیں سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مخفی نہیں تھیں، اس لیے خاندانی، معاشرتی، سماجی اور مذہبی و روحانی اعتبار سے انتہائی بلند مرتبہ و مقام حاصل ہونے کے باوجود آنجناب کے اندر کمال درجے کی تواضع و انکساری پائی جاتی تھی۔ چناں چہ نامور مؤرخ و محدث حافظ ابنِ عساکر نے اس کی ایک سبق آموز مثال یوں درج کی ہے:

ایک مرتبہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا گزر چند مساکین کے پاس سے ہوا، جو (مسجد نبوی کے ساتھ) صفہ میں کھانا کھا رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو دیکھ کر عرض کیا، آیئے! کھانا تناول فرمایئے۔ آپ رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے اور فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ---

''بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا''---

ان مساکین کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، پھر ان سے فرمایا: میں نے تمہاری دعوت قبول کی، اب تم لوگ میری دعوت قبول کرو۔ سب نے کہا: نَعَمْ: ہاں! ٹھیک ہے۔

چنانچہ آپ انہیں اپنے دولت کدہ پر لے گئے اور اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رباب رحمۃ اللہ علیہا سے فرمایا کہ جو کچھ کھانے کو تمہارے پاس موجود ہے، وہ لے آؤ۔[۱۵]

⑥...... اپنے ساتھیوں کو آزمائش میں ڈالنے سے گریز

انسانی فطرت ہے کہ انسان مشکل اور آزمائش کے وقت میں زیادہ سے زیادہ لوگوں سے مدد اور تعاون کا خواہاں ہوتا ہے، مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایسے موقع پر بھی کسی کو آزمائش اور مشکل میں ڈالنا پسند نہیں فرمایا، اس بلند سوچ کی ایک جھلک ذیل میں ملاحظہ ہو:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے عاشوراء کی رات اپنے تمام اصحاب کو جمع کیا، پھر (اس مشکل ترین اور آزمائش کی گھڑی میں بھی) اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا:

”میں یہی محسوس کر رہا ہوں کہ یہ لوگ (یزیدی فوج) بہر صورت کل تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ اس صورت حال میں تم سب کو (بخوشی) اجازت دیتا ہوں۔ تم سب میری طرف سے آزاد ہو اور اب رات کے اندھیرے نے تمہیں ڈھانپ لیا ہے، پس جس آدمی کے پاس ہمت ہو، وہ میرے اہلِ بیت میں سے کسی آدمی کو ساتھ ملا لے اور تم سب رات کے اندھیرے میں یہاں سے نکل جاؤ۔ ان لوگوں (یزیدی فوج) کو تو صرف میری تلاش ہے، کل جب یہ مجھے دیکھیں گے تو تمہاری تلاش بھول جائیں گے“---

اس مخلصانہ پیش کش پر آپ کے اہل بیت نے کہا:

لَا أَبْقَانَا اللّٰهُ بَعْدَكَ، وَ اللّٰهِ لَا نُفَارِقُكَ وَ قَالَ أَصْحَابُهٗ كَذٰلِكَ---[۱۶]

”اللہ تعالیٰ آپ کے بعد ہمیں زندہ نہ رکھے۔ قسم بخدا! ہم آپ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جائیں گے اور آپ کے دوسرے ساتھیوں نے بھی اسی طرح کے جذبات کا اظہار کیا“---

کونین میں بلند ہے رتبہ حسین علیہ السلام کا
سلطانِ دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے نانا حسین علیہ السلام کا

حوالہ جات

۱...... سیر الصحابۃ، معارف اعظم گڑھ، طبع دوم 1951ء، 6/ 243

۲...... أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ، باب: ومن سورۃ الاحزاب، 5/ 351، الرقم: 3205

۳......راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص 187

۴......نووی، شرف الدین یحیٰ، شرح صحیح مسلم مع الصحیح، کتاب و باب مذکور، 2/ 283

۵......ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، باب مناقب اھل بیت النبی ﷺ، 11/ 370

۶......ابن الاثیر، اسد الغابۃ، 2: 23

۷...... مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب باب البر والصلۃ، ص: 421

۸......ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ، عیون الاخبار، 3/ 158

۹......محبّ الدین الطبری، ذخائر العقبٰی فی مناقب ذوی القربی (باب ذکر ما جاء مختصاً بالحسن علیہ السلام)، ص 137

۱۰......ابنِ منظور، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، 7/ 115

۱۱......دیکھیے: ابنِ منظور، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر بحوالہ حکیم محمود احمد ظفر، سیدنا حسین بن علی، تاریخ کی روشنی میں، تخلیقات لاہور 2006ء

۱۲......ابنِ کثیر، البدایۃ و النّھایۃ

۱۳...... مجمع الزوائد و منبع الفوائد (کتاب الادب، باب صاحب الدابۃ احقّ بصدرھا)، 8/ 108

۱۴......محبّ الدین الطبری، ذخائر العقبٰی فی مناقب ذوی القربی (اذکار تتضمن فضائل واخبار اتختص بالحسین رضی اللہ عنہ)

۱۵......ابنِ منظور، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، 7/ 129

۱۶...... الذھبی، سیر اعلام النبلاء، 3/ 301

❀❀❀❀❀

اسم اشارہ ذٰلك

ایک نفیس نحوی نکتہ

حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

علم صرف ونحو میں حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ کو کمال کی مہارت حاصل تھی۔ آپ کی بارگاہ سے مولانا عبدالعزیز نعیمی فتح پوری، امام النحو علامہ غلام جیلانی میرٹھی، مفتی عبدالرشید نعیمی فتح پوری جیسے نامور نحوی وصرفی علماء پیدا ہوئے۔ ہم یہاں حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی نحوی وصرفی صلاحیت ولیاقت کے حوالے سے ایک مثال پیش کیے دیتے ہیں تا کہ قارئین آپ کی نحوی وصرفی موشگافیوں سے لطف اندوز ہوسکیں۔ قرآن شریف کی سورۂ بقرہ کے آغاز میں لفظ ذٰلك پر آپ نے کمال کی بحث فرمائی ہے۔ ملاحظہ کریں: [ادارہ]

سورۂ مبارکہ میں حروفِ مقطعہ کے بعد پہلا کلمہ ذٰلك ہے۔ زبان عربی میں یہ اسم اشارہ ہے، جو مشار الیہ بعید کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اصل میں اس کی وضع ہی بعید کے لیے ہے اور بنانے والے نے اس کو بعید ہی پر دلالت کرنے کے لیے بنایا۔ کیوں کہ زبان عرب کے کلمات میں ایک ایسا قانون حکمت مرعی ہوتا ہے جو دوسری زبانوں کو میسر نہیں ہے۔ الفاظ کی وضع اور کون سا لفظ کس معنی کے لیے موضوع ہوا، اس میں نہایت لطیف وجوہ کی رعایت ہوتی ہے۔ جب ہم اس قانون حکمت کو اس کلمہ میں

تلاش کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذٰلِکَ اور ھٰذا یہ دونوں کلمے اشارے کے لیے ہیں اور ان دونوں کی اصل ذا ہے۔ ایک میں ھا بڑھایا گیا ہے اور ایک میں لام کاف۔ زبانِ عرب میں ذا تنہا بھی مستعمل ہے۔ قرآن پاک ہی میں ارشاد ہوا:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا---

اس سے معلوم ہوا کہ اصل میں اسم اشارہ ذا ہے، ھا تنبیہ کا اس پر زیادہ کیا جاتا ہے تو اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں کہ اے مخاطب! اس چیز کے لیے متنبہ اور ہوشیار رہو، جس کی طرف میں اشارہ کرتا ہوں۔ یہ کلام اس وقت مناسب ہوتا ہے جب کہ وہ شئے حاضر اور پیشِ نظر ہو۔ اس لیے ھٰذا کو قریب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

کبھی ذا کے ساتھ کاف خطاب و لام تاکید کو ملحق کیا جاتا ہے، اس طرح ذٰلِکَ بنتا ہے۔ اس میں لام تاکید دلالت کرتا ہے کہ متکلم تنبیہ میں مبالغہ کرنا چاہتا ہے اور یہ اس وقت مناسب ہے جب کہ مشار الیہ بالکل قریب نہ ہو، بلکہ متاخر اور بعید ہو۔ اس لیے ذٰلِکَ کو مشار الیہ بعید کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

اس بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ اصل وضع میں بُعد ماخوذ نہیں بلکہ عرف میں بعید کی طرف اشارہ کلمہ ذٰلِکَ کے ساتھ قرینۂ مذکورہ کے سبب سے رائج ہو گیا۔

اب یہاں دو وجہ ہیں، ایک وضع لغوی کا اعتبار، دوسرا وضع عرفی کا۔ وضع لغوی پر تو ذٰلِکَ بعد کا مفید ہی نہیں اور اسی لیے فصحاء کے کلام میں ھٰذا اور ذٰلِکَ میں سے ہر ایک دوسرے کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔

وضع عرفی کے لحاظ سے ذٰلِکَ بعد پر دلالت کرتا ہے اور اس کا مُشارٌ الیہ اگرچہ حاضر ہو مگر وہ اپنے مرتبہ اور عظمت کے لحاظ سے انتہائی بُعد رکھتا ہے۔ وہ ایسے حِکَمِ عظیمہ اور علومِ کثیرہ پر مشتمل ہے جن پر اطلاع و وقوف بشری قویٰ کے لیے نہایت دشوار۔ اور قرآن پاک اگرچہ صورۃً حاضر ہے، لیکن اس کے اسرار و حقائق بہت بلند و بالا۔ اس لیے اس کے علوِشان اور بلندیٔ مرتبہ کی طرف ذٰلِکَ سے اشارہ فرمایا۔

[السواد الاعظم: شوال المکرّم ۱۳۴۶ھ، ص۱۴، ۱۵]

[ماخوذ: سوانح صدر الافاضل، مصنفہ مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی (انڈیا)، افق پبلی کیشنز، کراچی، ص ۹-۵۸۸]

❀❀❀❀❀

قائدانہ اوصاف ، اسوۂ حسنہ کی روشنی میں⑥

پیروؤں کے ساتھ حسنِ سلوک (۲)

پروفیسر خلیل احمد نوری

تاریخِ انسانی میں نمایاں مقام حاصل کرنے والے قائدین کے سماجی تعلقات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ وہاں اپنوں اور غیروں یا بالفاظِ دیگر دوستوں اور دشمنوں سے تعلقات کی نوعیت میں واضح فرق روا رکھا جاتا ہے۔ رواداری، خیر خواہی، ہم دردی، شفقت و نرم دلی اور عدل و انصاف کے حوالے سے عالمی قائدین کے رویے اپنوں اور غیروں میں بالکل متضاد نظر آتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اپنے پیروؤں کے ساتھ بھی تعلقات، اخلاص سے عاری اور مفاد پرستی پر مبنی نظر آئیں گے۔ کارکنوں کو اہمیت یا ترجیح دینے کے حوالے سے ادنیٰ اور اعلیٰ اور ذاتی پسند و ناپسند کی تقسیم واضح طور پر دکھائی دے گی۔

قائدِ انسانیت حضور سید عالم رحمۃ للعالمین ﷺ کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ یہاں اپنوں اور غیروں کی تقسیم ہی بے محل اور غیر متعلق ہو جاتی ہے۔ یہاں سب اپنے ہیں کہ رحمۃ للعالمینی کا تقاضا یہی ہے۔ حتیٰ کہ جہاد و قتال کا مقصد بھی طاغوتی طاقتوں اور کفر کے سرغنوں کا خاتمہ ہے۔ تاکہ غلبۂ دینِ حق کے ذریعے اسلام کے فیوض و برکات سے انسانیت کو سکون و قرار مہیا کیا جائے۔ بہر حال، جو خوش بخت افراد ایمان لائے اور انہوں نے حضور رسول اکرم ﷺ کی غلامی کا پٹہ گلے میں ڈال کر آپ ﷺ کی اتباع و پیروی کو اپنا مقصدِ زندگی بنالیا، اسی پر بس نہیں، بلکہ انہوں نے دینِ اسلام کی نصرت و اعانت کی خاطر

اپنی جان و مال، وطن، قبیلہ کنبہ اور خویش و اقارب سب کچھ جانِ جاناں ﷺ پر نچھاور کر دیے، وہ تمام صحابہ کرام حضور پُرنور ﷺ کی خصوصی شفقت و عنایات کے مستحق قرار پائے۔

قائدِ اوّلین و آخرین ﷺ کی نظر مبارک میں سماجی مرتبے کی بنیاد پر کسی کو ترجیح حاصل نہ تھی، نہ ہی مال و دولت کے باعث کسی کی کوئی اہمیت تھی، نہ رنگ و نسل کے اعتبار سے کسی کو برتر یا کم تر سمجھا گیا۔ معیارِ فضیلت صرف تقویٰ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایثار کی قدر کی۔ پیروؤں کی قربانیوں کو سراہا، تعریف کی، تحسین کی، مختلف صحابہ کرام کو اعلیٰ القاب سے نوازا۔ بعض کا نام لے کر انہیں جنت کی خوش خبری سنائی۔ ان کی شہادتوں پر افسردہ ہوئے، ان کی جدائی پر غمگین ہوئے، ہنسی مزاح سے دل لگی فرمائی۔ ان کی جان کنی کے لمحے دیکھ کر روئے، ان کے قاتلوں کے لیے دعائے ضرر کی، قنوتِ نازلہ پڑھی۔ صحابہ کرام کو برا کہنے سے منع فرمایا۔ ان کی معمولی نیکی کو بعد میں آنے والے امتیوں کی نیکی کے مقابلے میں لاکھوں کروڑوں گنا بڑا قرار دیا۔ ارشاد ہوا:

لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِیْ ، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا ؛ مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ ، وَلَا نَصِيْفَهٗ---[۱]

"میرے کسی صحابی کو گالی نہ دو، اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ان کے ایک مد یا نصف مد کے برابر بھی ثواب کو نہیں پہنچے گا"---

رسولِ اکرم ﷺ اپنے پیروؤں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تشریف فرما ہوتے تو ایسا نہ تھا کہ اپنے لیے اعلیٰ اور نمایاں مسند کا اہتمام کرواتے ہوں، تاکہ آپ ﷺ نشانِ عظمت سے پہچانے جائیں۔ بظاہر ایسا لگتا کہ آپ ان میں سے ایک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ کوئی اجنبی حاضرِ خدمت ہوتا تو اسے اہلِ مجلس سے پوچھنا پڑتا کہ تم میں اللہ کے رسول کون ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے پیروؤں کے ساتھ بے تکلف اور تصنع سے پاک زندگی بسر فرمائی۔ اپنے صحابہ کے برابر زمین پر تشریف فرما ہو جاتے، باوجودیکہ آپ کی تعظیم اور احترام کی خاطر مسند کا اہتمام کیا جاتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے آپ کی خدمت میں تکیہ پیش کیا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، مگر آپ زمین پر تشریف فرما ہو گئے اور تکیہ میرے اور آپ کے درمیان پڑا رہا"---[۲]

مکارمِ اخلاق کے حامل نبیٔ اکرم ﷺ خوشی کے وقت، اپنے پیروؤں کو کھانے پر بلاتے۔ ایک بار تین صحابہ سے کوتاہی ہوئی کہ کھانا تناول کرنے کے بعد باہم گفتگو میں مشغول ہو گئے اور دیر تک رسول اللہ ﷺ کے کاشانۂ اقدس میں براجمان رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ناگواری کے باوجود حیا کے باعث خاموشی اختیار فرمالی۔ حتیٰ کہ وحیٔ الٰہی کے ذریعے ایسے اصحاب کو آدابِ رسول کی تعلیم دے دی گئی۔ ارشاد ہوا:

فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ ٘ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ---[۳]

''پس جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور آپس کی باتوں میں مشغول نہ ہو جاؤ بے شک یہ بات نبی ﷺ کو تکلیف دیتی ہے مگر وہ تم سے حیا کرتے ہیں، مگر اللہ حق بات کہنے میں حیا نہیں فرماتا''---

مجلسِ نبوی میں اصحابِ رسول کو تنظیمی امور پر آزادانہ رائے کا حق حاصل تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ جب کبھی اظہارِ رائے کے وقت صحابہ کی باہم آوازیں بلند ہوئیں تو خالقِ کائنات نے بارگاہِ نبوی میں حاضری کے آداب بیان کر دیے اور واضح فرما دیا کہ مجلسِ نبوی کے آداب ملحوظ نہ رکھنے سے نیکیوں کا تمام ذخیرہ اکارت چلا جائے گا۔[۴]

نبی اکرم ﷺ مختلف امور میں حکمِ الٰہی ﴿وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ج﴾[۵] کے مطابق اپنے پیروؤں سے مشورہ فرمایا کرتے۔ حالانکہ آپ ﷺ کو وحیٔ الٰہی کی صورت میں ہمہ وقت ہدایتِ ربانی حاصل تھی۔ پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سینۂ مبارک کو علم وحکمت سے معمور فرما کر فیصلہ کرنے کی بھرپور استعداد سے نواز رکھا تھا۔ سو! آپ کسی سے مشورے کے محتاج نہ تھے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ احزاب کے مواقع پر، حتیٰ کہ نماز کی طرف بلانے کے طریقہ کے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشاورت کی۔ مقصد یہ تھا کہ ایک تو بعد والوں کے لیے آپ ﷺ کی سنت قائم ہو جائے اور مشورہ کی اہمیت واضح ہو، دوسرا یہ کہ صحابہ کرام کو مشوروں میں شامل کر کے ان کی دل جوئی کی گئی، تاکہ ان میں دل وجان سے اطاعت کا جذبہ پیدا ہو۔ مشاورت سے کیے گئے فیصلوں کے نفاذ سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں، وہ قائد کے ازخود کیے گئے فیصلوں سے پیدا نہیں ہوتے۔

دنیادار قائدین کا یہ المیہ ہے کہ پروٹوکول یا سیکیورٹی کے نام پر عوام کو ان سے دور

رکھا جاتا ہے۔ قائدین تک رسائی نہ ہونے کے باعث عوام اپنے دل کی بات ان تک پہنچانے سے قاصر رہتے ہیں۔ عوامی قیادت کے دعوے دار نچلے طبقات کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتے، بلکہ کم مرتبہ اور غریب و نادار افراد تو قائدین کی جھلک نہیں دیکھ پاتے۔

جب کہ حضور سیدِ عالم ﷺ کے قائدانہ اوصاف میں سے ہے کہ آپ ﷺ میں اور آپ کے پیروؤں میں کوئی بعد نہ تھا۔ یہاں کوئی دربان اور ہٹو بچو کی صدا دینے والا نہ تھا، حتیٰ کہ اگر کسی نے رازدارانہ بات کہنا ہوتی تو کسی رکاوٹ کے بغیر جب چاہتا کہہ لیتا۔ صحابہ آپ سے سرگوشی کرتے اور آپ ﷺ ان کی باتوں کو اس وقت تک سنتے رہتے جب تک کہ وہ اپنا مدعا بیان کر کے الگ نہ ہو جاتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک بار نماز کے لیے اقامت کہی گئی جب کہ ایک آدمی آپ ﷺ سے سرگوشی کر رہا تھا۔ وہ مسلسل سرگوشی کرتا رہا یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام کو نیند آ گئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی'' ---[٦]

پیروؤں سے حسنِ سلوک کا یہ عالم تھا کہ بعض صحابہ کسی واقعی ضرورت کے تحت اور کوئی بلاضرورت خلوت میں بات چیت کرنے کی درخواست کرتا اور حضور ﷺ ان کی درخواست قبول فرما کر ان کی گفتگو سماعت فرماتے۔ باوجودیکہ آپ ﷺ کو کبھی تنگی ہوتی، مگر آپ ﷺ کسی کو منع نہ فرماتے۔ اس حسنِ اخلاق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منافقین اپنی اہمیت جتانے کی خاطر اور بے فائدہ باتیں کرنے کے لیے تخلیہ طلب کرتے۔ بعض سرگوشی کرتے وقت اتنا وقت لے لیتے کہ دوسروں کو موقع نہ ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرما دیا کہ جسے آپ ﷺ سے سرگوشی کرنا ہو، وہ پہلے صدقہ کر کے آئے [٧] اگرچہ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا، تاہم اس سے پیروؤں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے کریمانہ اخلاق کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

حضور ﷺ نے کبھی ایسا لباس نہ پہنا جس سے فخر و غرور کی بو آتی ہو اور جس کے باعث اپنے پیروؤں یا اغیار کے مقابلے میں بڑے پن کا اظہار ہوتا ہو۔ جب کبھی اس قسم کی پیش کش کی گئی تو اسے ناپسند فرما کر انکار کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے موٹے ریشم کا ایک عبا یا بازار میں فروخت ہوتے ہوئے دیکھا تو اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ اسے خرید لیں اور عید کے موقع پر اور جب آپ کی بارگاہ میں وفود آئیں تو اسے پہن کر

آراستہ ہوا کریں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهٖ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهٗ---[۸]

''اس قسم کا لباس وہی پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو''---

قائدینِ عالم کا دستور ہے کہ اہم مواقع پر ان کے ہاں، سرداروں، وڈیروں، وزیروں، مشیروں اور بلند منصب رکھنے والے افراد کا ہجوم ہوتا ہے۔ جب وہ دشمن پر غلبہ پاتے ہیں تو ان کے ہر قول وعمل سے فخر وغرور ٹپکتا ہے۔ دشمن کو نیچا دکھانے، اپنی برتری ثابت کرنے اور جاہ وجلال کے اظہار کے لیے ہر قسم کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ لیکن رسولِ اکرم ﷺ اہم مواقع پر معاشرے کے کم رتبہ افراد پر نظرِ عنایت فرما کر انہیں اپنے قریب جگہ عطا فرماتے تھے۔ فتح مکہ کے دن، جو کہ غلبۂ حق، اسلام کی عظمت اور کفر کی ذلت ورسوائی کا دن تھا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا، جو کہ غلام زادے تھے۔ ایک اور آزاد کردہ غلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہمراہیوں میں شامل تھے۔ قبائل کے سرداروں اور لشکرِ اسلام کے سپہ سالاروں کے بجائے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کعبۃ اللہ میں داخل ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ اونچی جانب سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، جب کہ سواری پر اپنے پیچھے آپ نے حضرت اسامہ بن زید کو بٹھایا ہوا تھا اور حضرت بلال اور کعبہ مشرفہ کے کلید بردار حضرت عثمان رضی اللہ عنہم آپ کے ہمراہ تھے[۹] ایک روایت میں کسی اور موقع کے حوالے سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ گدھے پر سوار ہوئے جس کے پالان پر چادر پڑی ہوئی تھی اور آپ نے حضرت اسامہ کو اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا۔[۱۰]

دشمن پر غلبے اور فتح کے وقت، احساسِ تفاخر سے، فاتحین کی گردنیں اکڑی ہوتی ہیں، لیکن رسولِ اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو اپنے رب کی شکر گزاری اور عجز وانکسار کے باعث گردن مبارک جھکا رکھی تھی۔ حتیٰ کہ داڑھی مبارک کے بال سواری کے کجاوے کو چھو رہے تھے۔[۱۱]

ناداروں، بے کسوں اور معاشرے کے کم ترین افراد سے تعلق اور ان کی دیکھ بھال کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سیاہ فام نوجوان یا عورت مسجد نبوی کی صفائی

کیا کرتی تھی۔ رات کے وقت اس کی وفات ہوگئی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رات کی تاریکی کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کی اطلاع نہ دی اور دفن کر دیا۔ شاید انہوں نے اسے کم تر اور معمولی خیال کرتے ہوئے اطلاع کرنا ضروری نہ سمجھا۔ کچھ دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے نہ دیکھا تو اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ لوگوں نے بتایا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اس کی مجھے اطلاع کیوں نہ دی؟ پھر فرمایا کہ مجھے اس کی قبر پر لے چلو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبر پر اس کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔ یہ بھی فرمایا:

''یہ قبریں تاریکی کا گھر ہیں اور اللہ تعالیٰ میری نماز جنازہ کے باعث اپنی رحمت سے ان کو روشن فرما دیتا ہے''---[۱۲]

قائدین کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کا یہ پہلو بھی لائقِ تقلید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے پیروؤں کے ساتھ مل کر مشقت کے اجتماعی کاموں میں حصہ لیتے، ان کا ہاتھ بٹاتے اور ذوق و شوق میں اضافے اور حوصلہ بڑھانے کے لیے ان کے کام کی تعریف کیا کرتے تھے۔ انہیں دعاؤں سے نوازتے اور ان کے جذبۂ جہاد سے لبریز اشعار کا الفت و محبت سے جواب عنایت فرماتے۔ اسلام و کفر کا تیسرا بڑا معرکہ غزوۂ خندق ہے، سخت سردی اور قحط سالی کے باعث خندق کی کھدائی، جان جوکھوں کا کام تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مدینہ طیبہ کی طرف دشمن کی روانگی کا علم ہوا تو مسلمانوں کو اجر و ثواب کی ترغیب دلانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنفسِ نفیس خندق کی کھدائی میں شامل ہوئے۔ تمام مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مصروفِ عمل ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوری جدوجہد سے اس میں حصہ لیا اور مسلمانوں نے بھی خاصی مشقت اور مستقل مزاجی سے کام کیا[۱۳] خندق کی کھدائی میں مہاجرین و انصار کی مشقت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کرام کے لیے حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرماتے۔ اس ضمن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ دو روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خندق کی جانب تشریف لے گئے، دیکھا کہ صبح سویرے سخت سردی میں مہاجرین و انصار خندق کھود رہے ہیں، ان کے پاس غلام نہیں ہیں جو یہ کام سرانجام دیں۔ خندق کھودتے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی پیٹھوں پر مٹی اٹھا کر باہر ڈال رہے تھے اور یوں کہتے جاتے تھے:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدَا
عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا أَبَدَا

''ہم نے ہمیشہ کے لیے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کر رکھی ہے جب تک کہ ہمارا وجود باقی ہے''---

حضور نبی کریم ﷺ نے جب ان کی مشقت اور بھوک ملاحظہ فرمائی، تو ان کے جواب میں زبانِ اقدس پر یہ دعائیہ کلمات جاری ہو گئے:

اَللّٰھُمَّ إِنَّہٗ لَا خَیْرَ إِلَّا خَیْرُ الآخِرَہْ
فَبَارِكْ فِي الْأَنْصَارِ وَ الْمُھَاجِرَہْ

''اے اللہ! بھلائی تو حقیقت میں آخرت کی بھلائی ہے، پس انصار اور مہاجرین کو برکت عطا فرما''---[۱۴]

خندق کھودنے کے عمل میں رسول اللہ ﷺ کی شمولیت کے بارے میں حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔ فرمایا:

''خندق کھودتے وقت نبی اکرم ﷺ ایک جگہ سے دوسری جگہ مٹی اٹھا کر لے جاتے تھے، حتیٰ کہ آپ کا شکم مبارک مٹی سے اٹا ہوتا تھا''---

ایک روایت میں فرمایا:

''دھول مٹی کے باعث آپ ﷺ کے شکم مبارک کی سفید رنگت بھی دکھائی نہیں دیتی تھی''---[۱۵]

اس موقع پر صحابہ کرام کو سخت بھوک کا سامنا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ بھی شدید بھوک کی حالت میں کھدائی کے عمل میں صحابہ کرام کی مدد فرما رہے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم خندق کھود رہے تھے تو ایک سخت پتھر نکل آیا۔ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ یہ بہت بڑا پتھر نکل آیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں خود خندق میں اترتا ہوں۔ چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور شکم مبارک پر بھوک کے باعث پتھر بندھا ہوا تھا۔[۱۶]

قائد کے اعلیٰ اوصاف میں سے ہے کہ وہ مشکل گھڑی میں اپنے پیروؤں کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا ہو۔ تکلیف دہ حالات میں انہیں تنہا چھوڑ کر راحت کے مزے نہ لے۔ جب گھمسان کی جنگ اور کٹھن وقت میں جان کا خطرہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نہ صرف اپنے اصحاب کو اکیلا نہیں چھوڑتے تھے، بلکہ سب سے آگے ہوتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رات کے وقت مدینہ طیبہ میں دشمن کی آمد کی اطلاع ملی، اہلِ مدینہ گھبراہٹ میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

خطرے کی اس گھڑی میں رسول اللہ ﷺ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہوکر اکیلے نکلے اور دور تک حالات کا جائزہ لے کر واپس تشریف لائے۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ حسین وجمیل اور دلیر تھے۔ ایک رات اہلِ مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا، لوگ آواز کی طرف دوڑے تو انہیں رسول اللہ ﷺ ملے کہ آپ خطرے کی خبر لے کر واپس آرہے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے اور تلوار آپ کی گردن مبارک میں لٹک رہی تھی۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں'' ---[۱۷]

رسول اللہ ﷺ کی جرأت وشجاعت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ غزوۂ حنین میں بنوہوازن کے اچانک تیروں کے شدید حملے کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی تھی۔ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس وقت بھی رسول اللہ ﷺ نے استقامت اختیار فرمائی اور میدانِ جنگ سے نہیں بھاگے تھے۔ البتہ، بعض جلد باز حضرات بھاگ کھڑے ہوئے تھے، کیونکہ بنوہوازن نے ان پر تیروں کی بارش کردی تھی، لیکن نبی اکرم ﷺ بدستور اپنے سفید خچر پر جلوہ افروز رہے، جس کی لگام ابوسفیان بن الحارث نے تھام رکھی تھی۔ نبی اکرم ﷺ بار بار یہ الفاظ ادا فرمارہے تھے:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ---[۱۸]

''میں نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبد المطلب جیسے سردار کا لختِ جگر ہوں'' ---

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جہاد کی ترغیب دی اور شہادت کے فضائل بیان کیے تو خود بھی سرکارِ دوعالم ﷺ نے چاہا کہ ہر معرکۂ کفر واسلام میں شریک ہوں اور فرمایا:

وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُّ أَنِّيْ أُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ---[۱۹]

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میری جان ہے، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل کردیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کردیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں'' ---

ماضی کے قائدین ہوں یا عصرِ حاضر کے، اس برائی کا شکار ہونے سے کم ہی بچے ہوں گے

کہ وہ اپنے پیرؤوں اور کارکنوں کی بہبود اور مادی ضرورتوں کی بہم رسانی کے بجائے، اپنی ذات اور خاندان کے لیے مال و دولت میں اضافے کو ترجیح دیتے ہیں۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے زندگی بھر فقر اختیار کیا اور متاعِ دنیا کا جمع کرنا تو رہا ایک طرف، کم ہی ایسا ہوا کہ آپ ﷺ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔ اس ضمن میں چند حقائق پیش کیے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے کس طرح دنیاوی مال و متاع سے دور رہ کر زندگی بسر فرمائی:

''حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ وصال کے وقت حضور ﷺ کی زرہ یہودی کے پاس تیس صاع جو کے بدلے میں بطورِ رہن رکھی ہوئی تھی'' ---[۲۰]

''اور آپ اس کے بدلے میں اس سے جو لیتے تھے'' ---[۲۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکتا، مگر تھوڑے سے جو تھے، جنہیں میں نے ایک کٹھلیا میں ڈال رکھا تھا۔ ایک مدت تک میں اس سے کھاتی رہی۔ ایک روز اسے ناپ لیا تو وہ ختم ہو گئے۔[۲۲]

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ہتھیاروں اور سفید خچر کے سوا کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ ایک قطعہ زمین تھا جو صدقہ کیا ہوا تھا۔[۲۳]

حضور ﷺ نے خود فرمایا:

''میرے وارثوں میں کوئی دینار تقسیم نہ کیا جائے، کیونکہ جو مال میں چھوڑوں وہ میری ازواج اور عاملین کے خرچہ کے لیے ہوگا، باقی صدقہ ہوگا'' ---[۲۴]

کبھی ایسا نہ ہوا کہ حضور سیدِ عالم ﷺ نے خود کو یا اپنے خاندان کو نوازنے کے لیے کسی رعایت یا استثناء کا سہارا لیا ہو۔ جو سہولت دیگر لوگوں کو حاصل نہ ہو، وہ اپنے لیے یا اپنے خاندان کے کسی فرد کے لیے حاصل کی ہو۔ ایسی پیش کش ہوئی تو اسے ٹھکرا دیا۔ مثلاً: رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے موقع پر لشکرِ کفار میں شامل تھے اور قید کر لیے گئے۔ قیدیوں کے متعلق طے ہوا کہ وہ فدیہ دے کر رہائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس موقع پر کچھ انصاری صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی اور عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں کہ ہم اپنے بھانجے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا فدیہ معاف کر دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

لَا تَدَعُوْنَ مِنْهُ دِرْهَمًا ---[۲۵]

''اللہ کی قسم! ان پر ایک درہم بھی نہ چھوڑنا''---

ایک بار غنیمت میں لونڈیاں آئیں جو دیگر صحابہ میں تقسیم کی جارہی تھیں۔ دیگر اہلِ اسلام کی طرح رسول اللہ ﷺ کا خاندان بھی برابر کا استحقاق رکھتا تھا اور اس میں کوئی شرعی یا اخلاقی قباحت نہیں تھی کہ سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے سوال کرنے پر ان کی ضرورت پوری کر دی جاتی۔ لیکن حضور ﷺ نے اپنی نورِ نظر لختِ جگر کے مطالبے کو نظر انداز فرماتے ہوئے انہیں تسبیحات کا تحفہ دے کر مطمئن فرما دیا، تاکہ مدینہ منورہ کے مستحقین کی حاجات پوری ہوسکیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو چکی پیسنے سے تکلیف ہوتی تھی، پس انہیں معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لونڈیاں آئی ہیں تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تاکہ خادمہ کا سوال کرسکیں، لیکن آپ موجود نہ تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنا مقصدِ حاضری بتا دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے کی وجہ بتائی۔ نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، جب کہ ہم اپنے بستروں میں لیٹے ہوئے تھے۔ ہم اٹھنے لگے تو فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ رہو۔ پس آپ ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے، یہاں تک کہ میں نے آپ کے مبارک قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''جو چیز تم مانگ رہے ہو، میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ جب تم اپنے بستروں میں لیٹنے لگو تو چونتیس مرتبہ اللہ اکبر، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ پڑھ لیا کرو۔ یہ تم دونوں کے لیے اس سے بہتر ہے جس کا تم سوال کر رہے ہو''---[۲۶]

آج کے قائدین سرکاری خزانوں سے اپنی اور اپنے خاندان کی جائدادوں میں اضافے کے لیے قوانین وضع کرتے ہیں اور پہلے سے موجود قوانین میں ترمیم کر کے اپنے لیے قومی خزانے کو حلال اور جائز کرنے کے حیلے تراشتے ہیں۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے اور اپنی آل یعنی خاندانِ بنو ہاشم کے لیے مالِ زکوٰۃ کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ اس میں دیگر حکمتوں کے علاوہ یہ مصلحت بھی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اپنے مالِ زکوٰۃ کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کی آلِ اطہار کو ترجیح دینے لگیں اور معاشرے کے دیگر مستحق طبقات محروم رہ جائیں۔ رفتہ رفتہ دیگر مذاہب کی طرح سرکاری خزانے پر نسلی اجارہ داری قائم ہو جائے۔ اس لیے ابتدا میں ہی اس کا دروازہ بند فرما دیا اور اس معاملے میں کوئی نرمی نہیں برتی گئی۔

اس سلسلے کی درج ذیل دو احادیث دیکھیے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور منہ میں ڈال لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تھو تھو، اسے نکال دو، کیا تم نہیں جانتے کہ ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے'' ---[۲۷]

ایک روایت میں یہاں تک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے گال پکڑ کر جھنجھوڑے اور فرمایا:

أَلْقِهَا يَا بُنَيَّ ، أَلْقِهَا يَا بُنَيَّ ---[۲۸]

''پیارے بچے اسے پھینک دو، اسے پھینک دو'' ---

یہاں تک کہ منہ میں کھجور کا لعاب بھی تھکوا دیا۔

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث سے روایت ہے کہ میں اور حضرت فضل بن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمیں بھی صدقات کی وصول کا کام دیں اور جس طرح دیگر لوگ صدقات وصول کر کے آپ کی خدمت میں لاتے ہیں، ہم بھی لا کر پیش کریں اور اس کے ذریعے ہم بھی وہی فائدہ اٹھائیں جو دوسرے لوگ اٹھاتے ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِآلِ مُحَمَّدٍ ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ ---[۲۹]

''آلِ محمد کے لیے صدقہ لائق نہیں ہے کیونکہ یہ لوگوں کا میل کچیل ہے'' ---

پیرؤوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے متعلق، قائدِ اوّلین و آخرین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کی یہ چند جھلکیاں ہیں جو مختلف زاویوں سے مطالعہ کی غرض سے پیش کی گئی ہیں۔ قرآن و سنت میں اور سیرتِ سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اس موضوع پر بے شمار واقعات و حقائق بکھرے پڑے ہیں کہ جن کا احاطہ ممکن نہیں۔ اس موضوع پر خامہ فرسائی کا مقصد یہ بتانا ہے کہ انسانیت کے پاس معیارِ قیادت، بس اسی ہستی کی پاکیزہ سیرت ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ اس معیار پر پورا اترنا اور اس میں کاملیت پیدا کرنا ممکن نہیں ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ثانی محال ہے۔ البتہ عصرِ حاضر کا جو قائد اس حوالے سے جتنا اسوۂ حسنہ کے اس پہلو کے اتباع کی کوشش کرتا دکھائی دے، وہ ہم عوام کے لیے لائق تعظیم و تکریم ٹھہرے گا اور جس قدر کوئی شخص اس ہستی کے اتباع سے دور ہو گا، اس کی قیادت لائقِ اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

[جاری ہے]

حوالہ جات

۱......بخاری، کتاب المناقب،حدیث رقم:۳۶۷۳

۲......صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، باب من القی له وسادة،حدیث رقم:۶۲۷۷

۳...... الاحزاب،۳۳:۵۳ ۴...... الحجرات،۴۹:۲

۵...... آل عمرٰن،۳:۱۵۹

۶......بخاری، کتاب الاستیذان، باب طول النجوٰی،حدیث رقم:۶۲۹۲

۷...... المجادلة ،۵۸:۱۲

۸......بخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب التجمل للوفود،حدیث رقم:۳۰۵۴

۹......بخاری، کتاب المغازی، دخول النبی ﷺ من اعلٰی مکة / کتاب الجهاد والسیر، باب الردف علی الحمار،حدیث رقم:۲۹۸۸

۱۰......بخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب الردف علی الحمار،حدیث رقم:۲۹۸۷

۱۱......سیرت ابن ہشام، ج ۳-۴، ص ۳۴۳

۱۲......بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوٰة علی القبر بعد ما یدفن،حدیث رقم:۱۳۳۷/مسلم، کتاب الجنائز/صحیح ابن حبان، کتاب الجنائز

۱۳......سیرت ابن ہشام، ج ۳-۴، ص ۱۸۶

۱۴......بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق،حدیث رقم:۴۱۰۰

۱۵......بخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب التحریض علی القتال...... / باب حفر الخندق،حدیث رقم:۲۶۸۲/ کتاب المغازی، باب غزوة الخندق

۱۶......بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق،حدیث رقم:۴۱۰۱

۱۷......بخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب اذا فزعوا باللیل، باب الشجاعة فی الحرب والجبن، باب الحمائل و تعلیق السیف بالعنق،حدیث رقم:۲۹۰۸

۱۸......بخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب بغلة النبی ﷺ،حدیث رقم:۲۸۷۴/ باب من قال خذها و انا ابن فلان،حدیث رقم:۳۰۴۲

۱۹......بخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب تمنی الشهادة،حدیث رقم:۲۷۹۷

۲۰......بخاری، کتاب الجهاد، باب ما قیل فی درع النبی ﷺ،حدیث رقم:۲۹۱۶

۲۱......بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبی ﷺ بالنسیئة / کتاب الرهن، باب فی

الرھن فی الحضر ،حدیث رقم:۲۵۰۸

۲۲......بخاری، کتاب الجھاد و السیر، باب نفقة نساء النبی ﷺ بعد وفاته،حدیث رقم:۳۰۹۷/ کتاب الوصیة، باب الوصایا

۲۳......بخاری، کتاب الجھاد و السیر، باب بغلة النبی ﷺ،حدیث رقم:۲۸۷۳/ باب نفقة نساء النبی ﷺ بعد وفاته،حدیث رقم:۳۰۹۸

۲۴......بخاری، کتاب الجھاد و السیر، باب نفقة نساء النبی ﷺ بعد وفاته،حدیث رقم:۳۰۹۶

۲۵......بخاری، کتاب الجھاد و السیر، باب فداء المشرکین،حدیث رقم:۳۰۴۸

۲۶......بخاری، کتاب الجھاد و السیر، باب الدلیل علٰی ان الخمس لنوائب......، حدیث رقم:۳۱۱۳/ کتاب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب،حدیث رقم:۳۷۰۵

۲۷......بخاری، کتاب الزکوٰة، باب ما یذکر فی الصدقة للنبی و آله،حدیث رقم:۱۴۹۱

۲۸......فتح الباری، ج۳،ص۳۵۵

۲۹......صحیح مسلم، کتاب الزکوٰة، باب تحریم الزکوٰة علٰی رسول اللّٰه،حدیث رقم:۲۵۳۰

❁❁❁❁❁

فلسفۂ جد و جہد

شاخِ گل سے جب تک خون نہیں ٹپکتا، پھولوں کی قطار نہیں کھڑی ہوتی، جب تک زمین کا سینہ تپ نہیں جاتا، کالی گھٹاؤں کا موسم نہیں رکتا، درختوں کی جڑوں میں سلگنے والی آگ ہی نئی کونپلوں کے لیے دودھ کی غذا اور نمو کی قوت فراہم کرتی ہے، شمع جب تک ساکن و خاموش رہتی ہے، تنہا رہتی ہے، جہاں سلگ جاتی ہے، ہزاروں چاہنے والے اسے اپنے جھرمٹ میں لے لیتے ہیں۔ فطرت الٰہی کا بالکل یہی دستور انسانوں کی دنیا میں بھی جاری ہے، یہاں بھی ہر غم کے پیچھے خوشی کا قافلہ چلتا ہے اور ہر ناکامی اپنے پہلو میں کامیابی کی شمع فروزاں لیے کھڑی رہتی ہے، جب تک کوئی ''کربلا'' نہیں قائم ہوتا، گلشنِ اسلام کی بہاروں کو عمر دوام نہیں ملتا اور جب تک انگاروں پر نہیں تڑپایا جاتا، شانِ بلالی پگھلے ہوئے سونے کی طرح نہیں نکھرتی۔

[علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ]

❁❁❁❁❁

وفیات

گزشتہ دنوں:

معروف عالم علامہ مفتی محمد حنیف چشتی وصال فرما گئے، انھوں نے جامعہ حنفیہ رضویہ سراج العلوم گوجرانوالا، جامعہ رضویہ ضیاء العلوم اور دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف ایسی دینی درس گاہوں سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ ۱۹۷۳ء میں جامعہ چشتیہ رضویہ ضیاء القرآن کے نام سے راہ والی، گوجرانوالا میں دینی ادارہ قائم کیا۔ نصف صدی سے زائد عرصہ تک دینی خدمات انجام دیں۔ پس ماندگان میں عالم وفاضل، مبلغ ومقرر آٹھ صاحبزادے، چار صاحبزادیاں، ایک بھائی اور دیگر اعزہ واقرباء چھوڑے۔

[ماہ نامہ ضیائے حرم، جون ۲۴ء، ملخصًا]

● چودھری حامد اسحاق مدنی (مدینہ طیبہ) کی خوش دامن صاحبہ، ● محترم حافظ عزیز الرحمٰن گوندل (کوٹ مومن، سرگودھا) کی اہلیہ محترمہ، ● مولانا حافظ محمد جمیل نوری (راجووال/ عبداللہ شوگر ملز) کی پھوپھی صاحبہ، ● مولانا حافظ محمد انور نوری (حویلی لکھا) کی والدہ محترمہ اور مولانا غلام رسول نوری (چک سیدوالا، حویلی لکھا) کی پھوپھی صاحبہ، ● مولانا حافظ راشد علی (بہاول نگر/ سینئر مدرس عمر بن خطاب اسلامک یونی ورسٹی، واہنڈو، گوجرانوالا) کی دادی محترمہ ● مصنف ومؤلفِ کتب محترم حافظ امانت علی سعیدی (کاہنہ نو، لاہور) کا جواں سال پوتا ● مولانا مقصود احمد (چک 39/S.P شریف) کی پھوپھی محترمہ، ● علامہ احمد علی قصوری رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے اور ڈاکٹر (ہومیو) بشیر احمد سلیمی مرحوم کے صاحبزادے ڈاکٹر (ہومیو) جہاں گیر احمد سلیمی (شادباغ، لاہور)، ● ڈاکٹر محمد صدیق نوری (کچھی والا، بہاول نگر)، ● مفتی محمد امین کریمی قادری (ساہیوال/ چشتی قطب دین، بصیر پور) کے بڑے بھائی اور ● حاجی چودھری عبدالرزاق اور چودھری محمد یعقوب نوری مرحوم (چاہ بختو والا) کی ہمشیر مسافرانِ آخرت میں شامل ہوگئے---

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحب زادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

تبصرۂ کتب

سنی علماء دیاں پنجابی تقریراں (دسواں حصہ)

اہلِ سنت کے نامور عالم دین حضرت مولانا الحاج محمد جعفر ضیاء القادری مسلکی درد رکھنے والے محنتی انسان ہیں۔ انہوں نے اپنے مکتبہ سے متعدد کتب شائع کیں، وہ کئی نعتیہ مجموعوں کے علاوہ علمائے اہلِ سنت کی اردو اور پنجابی تقریروں کے متعدد مجموعے چھاپ کر اہلِ محبت سے داد پا چکے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب اسی سلسلۂ تقاریر کی حسین کڑی ہے۔ اس سے پہلے وہ محرم الحرام سے شعبان المعظم تک ہر مہینے کی مناسبت سے نو (9) جلدیں مرتب کر کے منظرِ عام پر لا چکے ہیں۔ زیرِ نظر دسواں مجموعہ فضائلِ رمضان المبارک (حصہ اوّل)، روزہ، تراویح، ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور سیدہ طیبہ طاہرہ زہراء رضی اللہ عنہا کے فضائل پر مشتمل ہے، امید کہ یہ جلد بھی شائقین پسند کریں گے۔ مولانا کی یہ کاوش دینی پہلو کے ساتھ ساتھ پنجابی ادب کی بھی بہت بڑی خدمت ہے۔ اس حصہ میں مولانا کی اپنی تقریروں کے علاوہ علامہ ضیاء اللہ قادری، مولانا عطاء المصطفیٰ جمیل، ابوالبیان مولانا سعید احمد مجددی وغیرہم کی تقریریں شامل ہیں۔ صفحات 496، ہدیہ 1500 روپے، پتا: مکتبہ غوثیہ، دکان نمبر 4، محمود شہید (لاج پت) روڈ شاہدرہ، لاہور، فون نمبر: 0333-4791219

رسول اللہ ﷺ کی مقبول دعائیں

اللہ تعالیٰ جل وعلا نے اپنے حبیبِ مکرم، رحمت ہر عالم، ختم الرسل، مولائے کل ﷺ کو شانِ محبوبیت عطا فرما کر ایسے اختیار واقتدار سے نوازا ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ ''کُن'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کی ہر دعا مقبول ہے، دعا ہی نہیں اللہ تعالیٰ تو آپ کے دل میں آنے والی خواہش کو بھی فی الفور پورا فرما دیتا ہے۔

متعدد احادیث مبارکہ سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ ادھر آپ دعا کرتے اور ادھر ''اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید'' کا منظر سامنے آ جاتا۔ آپ نے بہت سے خوش بخت انسانوں کو اپنی دعواتِ خیر سے نوازا، جب کہ بعض دشمنانِ دین کے لیے دعائے ضرر بھی فرمائی۔ آپ کی ان مستجاب دعاؤں کو علامہ ابوالرمان حافظ عبدالعزیز فیضی تونسوی حفظہ اللہ نے بڑے عمدہ پیرائے میں یکجا کر کے سیرت النبی کے اس اہم دعائیہ پہلو پر الاجابۃ فی دعوات الرسول المستجابۃ یعنی

''رسول اللہ ﷺ کی مقبول دعائیں'' کے نام سے ایک جامع کتاب مرتب کر دی ہے۔ امید کہ یہ خواص و عوام کے لیے نفع بخش ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس سعیِ جمیل کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے ان کے علم وعمل اور تصنیف و تالیف کے ذوق میں اضافہ فرمائے۔

صفحات 272، ہدیہ 800 روپے، اعلیٰ کاغذ، عمدہ طباعت، ناشر ادارہ محمدیہ لاہور، رابطہ: علامہ ابوالرمان حافظ عبدالعزیز فیضی، خطیب جامع مسجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، چمن پارک، فتح گڑھ، مغل پورہ، لاہور

سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا

سیدۃ نساء العالمین، سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہرا سلام اللّٰہ علی ابیھا و علیھا رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی، سب سے لاڈلی اور سب سے چہیتی صاحبزادی ہیں، جو عظمت و رفعت، عبادت و ریاضت، عفت و پاک دامنی، شرم و حیا، فقر و استغناء، صبر و رضا، وفا شعاری، شفقتِ مادری اور اولاد کی اعلیٰ تربیت ایسی خوبیوں میں اپنی مثال آپ تھیں۔ معاشرے کو اسلامی اخلاق، امن و سکون اور محبت و آشتی کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے ضروری ہے کہ دخترانِ اسلام رسول اللہ ﷺ کی اس صاحبزادی اور اسلام کی مایۂ ناز ہستی کے اسوہ کو اپنا آئیڈیل اور نمونۂ حیات بنالیں۔

تربیتِ نبوی کی شاہکار حضور ﷺ کی اس لاڈلی اور پیاری صاحبزادی، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رفیقۂ حیات، حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی اماں جان کی سیرتِ طیبہ اور فضائل و کردار پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں، زیرِ نظر کتاب ''سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب'' بھی اسی سلسلۂ زرّیں کی ایک حسین کڑی ہے۔

اس کتاب کے مصنف الحاج مرزا امداد حسین پیکرِ مہر و مودّت، سراپا عقیدت و محبت، ذوق و شوق اور سوز و گداز سے معمور، صاحبِ دل انسان ہیں۔ ربّ کائنات نے انہیں اخلاص و للّٰہیت، حسنِ صورت، حسنِ سیرت، حسنِ صوت، حسنِ اخلاق اور تحریر و تقریر کی عمدہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ محبوب کریم ﷺ اور آپ کے اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت ان کے ضمیر و خمیر میں شامل ہے۔

یہ کتاب سیدہ رضی اللہ عنہا کے حضور بصد ادب و نیاز، عقیدت و محبت کے والہانہ جذبات کا بھرپور اظہار ہے۔ روایتی، درائتی، تحقیقی موشگافیوں میں پڑے بغیر سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب کو رواں دواں اور شستہ و شائستہ انداز میں بیان کیا ہے۔ امید کہ اہلِ محبت، مجسمۂ محبت کے قلمِ محبت سے نکلے ہوئے اس ''ارمغانِ محبت'' کو بنظرِ تحسین دیکھیں گے۔ فجزاہ اللّٰہ احسن الجزاء

طباعت عمدہ، صفحات 304، ہدیہ 500 روپے، پتا: امداد پبلی کیشنز، چک نمبر 390/G.B (شرقی)، نزد 465 بائی پاس سمندری، ضلع فیصل آباد، فون نمبر: 0300-6644597

وفیات مشاہیرِ اہلِ سنت

زیرِنظر کتاب محترم ابوسعید سردار محمد اکرم بٹر کی انتہائی مفید تالیف ہے، اس سے پہلے بھی وہ متعدد کتابیں تالیف و تصنیف کر کے اہلِ محبت سے خراجِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ موصوف اہلِ سنت کے نامور صحافی، ادیب، مصنف، سیاسی کارکن اور ٹھوس عقیدہ کے حامل صاحبِ درد اور صائب الفکر اہلِ قلم و دانش ہیں۔ ایک عرصہ تک مجلّہ نوید سحر کامیابی سے شائع کرتے رہے۔ انھوں نے انجمن طلباء اسلام اور جمعیت علماء پاکستان کے اسٹیج پر نمایاں خدمات انجام دیں اور اپنی یادوں اور سیاسی و سماجی تجربات و تجزیات کو محفوظ کرنے کا اہتمام کیا۔ زیرِنظر کتاب اگرچہ عام سوانحی انداز سے ہٹ کر مرتب کی گئی ہے، لیکن اپنی افادیت کے اعتبار سے اہم دستاویز ہے خصوصاً علمی خدمات انجام دینے والے محققین کے لیے حوالہ کی کتاب ہے۔

یہ کتاب اربابِ طریقت و معرفت، رازدارانِ شریعت، علماء، خطباء، مبلغین، مسند نشینانِ تدریس، مردانِ قلم و قرطاس، ماہرینِ فکر و فن، ادباء، شعراء، سیاسی رہنماؤں اور محققینِ اہلِ سنت کی تواریخِ وصال کا مرقع ہے۔ کتاب کی فہرست سنہ وار کی بجائے حروفِ تہجی کی ترتیب سے ہوتی تو محققین کو تاریخِ وفات سے استفادہ کرنے میں سہولت رہتی۔ امید کہ آئندہ ایڈیشن میں فہرست کو بہتر اور جامع بنانے کی طرف توجہ دی جائے گی۔

محقق و مصنفِ کتاب نے تقدیم میں ازراہِ انکسار لکھا کہ ''وفیات نگاری میرا میدانِ تحقیق نہیں تھا اور نہ ہی اس بارے کوئی شد بد تھی'' حالانکہ اس موضوع پر وہ ''زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے''، ''گل ہائے رنگا رنگ''، ''یادوں کے دریچے''، ''اذکار جمیل العلماء''، اور ''حرمت قلم کے پاسبان'' وغیرہ کتابوں سے اسلاف شناسی اور وفیات نگاری کی عمدہ مثالیں قائم کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و عافیت کے ساتھ دینی اور ملی خدمات کی توفیقِ مزید سے نوازے۔ صفحات 216، ہدیہ 700 روپے، پتا: ادارہ نویدِ سحر، 24-عمر بلاک، شالیمار ٹاؤن، کاہنہ نو، لاہور

تصانیف مفتی محمد زمان سعیدی حفظہ اللہ

سرکارِ ابد قرار ﷺ کی ذاتِ گرامی اور آپ کی محبت دین کا مرکز و محور اور ایمان کی اساس ہے، اس محبت و تعلق میں جس قدر اضافہ ہوگا ایمان اسی قدر پختہ اور کامل ہوتا چلا جائے گا۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ حضور ﷺ سے ادنیٰ تعلق رکھنے والی چیز سے بھی محبت کی جائے، چہ جائے کہ وہ خوش بخت اور عظیم الشان نفوسِ قدسیہ جنھیں آپ ﷺ سے نسبی و حسبی اور ایمانی و روحانی تعلق ہو۔ وہ آپ کے آباء و اجداد، اعزہ و اقارب ہوں یا جگر پارے، جن کے خمیر میں خونِ رسول شامل ہو، یا درس گاہِ نبوت سے تربیت پانے والے اور قرب و معیت کے شرف سے بہرہ یاب (خواتین و حضرات) اصحاب ہوں، ان سب سے محبت رکھنا محبتِ رسول کا بدیہی تقاضا ہے۔ اسی نسبتِ نبوی کے حامل افراد کے تذکار

پر مبنی تین کتابیں پیشِ نظر ہیں۔ یہ کتابیں مدینہ فاؤنڈیشن فیصل آباد کے ریسرچ سکالر اور اہلِ سنت کے نامور محقق علامہ مفتی محمد زمان سعیدی حفظہ اللہ کے محبت بھرے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہیں:

❶...... سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار صاحبزادیوں میں سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے اس دل نشین تذکرہ میں حضرت مفتی صاحب نے آپ کی ولادت باسعادت، آباء واجداد خصوصاً اماں جان امّ المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، شوہرِ نامدار حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ اور اولادِ امجاد کے تفصیلی تعارف کے ساتھ ساتھ آپ کے فضائل ومناقب اور محامد ومحاسن کے حوالے سے نہایت محبت بھرے انداز میں گفتگو کی ہے۔ آخر میں چند مناقب ہیں۔ صفحات 96

❷...... تذکرہ عمّات مصطفیٰ رضی اللہ عنہن

اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیوں بالخصوص سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی جرأت وشجاعت، مجاہدانہ کردار اور آپ کے تذکارِ جمیل کو مستند روایات و واقعات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کی ان معزز خواتین کا اسوۂ حیات عہدِ حاضر کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے لیے مشعلِ راہ اور منارۂ نور ہے۔ صفحات 128

❸...... سیدہ ام عمّارہ رضی اللہ عنہا اور آپ کا خاندان

اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلیل القدر صحابیہ، غازیۂ اُحد حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے خاندان، آپ کے اوصافِ جمیلہ، عظمت وشرافت، شرفِ ایمان، محبتِ رسول، جرأت وشجاعت، ہمت وبسالت، علمی جاہ وجلال اور فضل وکمال کا شاندار انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ کتاب کے مطالعے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وفاداری کا حق ادا کرنے والے صرف مرد ہی نہیں تھے، بلکہ خواتین نے بھی سرفروشی وجاں نثاری کی تاریخ رقم کی۔ عہد حاضر میں خواتین، خصوصاً نوعمر بچیوں کے لیے ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی داستانِ حیات کا مطالعہ دین سے سچی محبت ولگن کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ صفحات 60

یہ تینوں کتابیں مدینہ فاؤنڈیشن پاکستان نے اپنی اعلیٰ اور نفیس روایات کو قائم رکھتے ہوئے انتہائی عمدہ معیار پر شائع کی ہیں۔ اعلیٰ ترین کاغذ، رنگین وحسین طباعت۔ اس علمی خدمت اور فروغِ محبتِ رسول کی اس شاندار کاوش، ان کتب کی اشاعت پر علامہ مفتی محمد زمان سعیدی اور مدینہ فاؤنڈیشن بجا طور پر مستحقِ مبارکباد ہیں۔

پتا: مدینہ فاؤنڈیشن، کتاب چوک، یونیورسٹی ٹاؤن، سرگودھا روڈ فیصل آباد

❀❀❀❀❀

تیسری قسط

کنیت

کنیت کا مفہوم اور اس کی اقسام کے حوالے سے شیخ عبداللہ دانش کے مضمون کی دو اقساط گزشتہ شماروں میں شائع ہوئی تھیں، اسی سلسلہ وار مضمون کی تیسری قسط ملاحظہ کریں---[ادارہ]

ابو تراب

(الف)......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح، کتاب الصلوٰۃ، باب نوم الرجال فی المسجد میں یہ حدیث لائے ہیں:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ، فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ: أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ؟---

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے، تو گھر میں علی رضی اللہ عنہ نہ تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا:

بیٹی! آپ کے چچیرے کہاں ہیں؟ (سیدنا علی رضی اللہ عنہ)''---

فاطمہ رضی اللہ عنہا بیٹی نے عرض کی: میرے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف رائے ہوا تھا، ناراض ہو کر نکل گئے ہیں۔ دوپہر کا (قیلولہ) آرام بھی میرے پاس نہیں کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سے فرمایا: دیکھو، وہ کہاں ہیں؟ پلٹ کر قاصد نے آ بتایا کہ وہ مسجد میں

سوئے ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہ زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ اوپر والی چادر، بدن سے گری ہوئی تھی اور مٹی جسم سے لگ گئی تھی۔ حضور ﷺ ان کے جسم سے مٹی صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے جارہے تھے:

قُمْ یَا أَبَا تُرَاب قُمْ یَا اَبَا تُرَابٍ---

''ابوتراب اٹھو، ابوتراب اٹھو، (یعنی اے مٹی والے اٹھو)''---

تشریح

علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

فِیْہِ التَّکْنِیَۃُ بِغَیْرِ الْوَلَدِ، وَتَکْنِیَۃُ مَنْ لَّہٗ کُنْیَۃٌ---[١٦]

اس حدیث شریف سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بغیر بیٹے کے، کنیت درست ہے، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جس کی بیٹے والی کنیت پہلے موجود ہو، اسے دوسری کنیت سے پکارا جا سکتا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پہلے سے کنیت، بڑے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے، ابوالحسن تھی، پھر حضور ﷺ نے مٹی جسم پر لگ جانے سے، انہیں ''ابوتراب'' کنیت سے نوازا۔

(ب)......دوسری روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ لائے ہیں:

ایک آدمی نے سہل بن سعد سے آکر کہا: حاکم مدینہ کا فلاں آدمی، منبر شریف کے پاس کھڑا ہو کر، علی رضی اللہ عنہ کو حقارت سے پکار رہا تھا (یعنی اسے ابوتراب، خاک نشین کہتا تھا) سیدنا سہل رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور فرمانے لگے:

''اللہ کی قسم! یہ نام تو حضور ﷺ نے خود رکھا تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے سب ناموں سے، زیادہ محبوب یہی نام تھا (پھر آگے وہی تفصیل حدیث سنادی)''---

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے، امام احمد بن حنبل، اسماعیل القاضی، امام نسائی، امام الحاکم رحمۃ اللہ علیہم کے حوالے سے نقل کیا ہے:

لَمْ یَرِدْ فِیْ حَقِّ أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَۃِ بِالْاَسَانِیْدِ الْجِیَادِ، أَکْثَرَ مِمَّا جَاءَ فِیْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ---

''جید سندوں کے ساتھ جتنی کثرت سے روایات، فضیلتِ علی رضی اللہ عنہ میں آئی ہیں، اتنی کسی اور صحابی کے بارے میں نہیں آئیں''---

((حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کی کثرت کا سبب یہ ہے کہ جب خوارج نے اپنے خبثِ باطنی سے کام لیتے ہوئے آپ کی شان میں ناروا باتیں کہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھلے دل سے آپ کے محامد ومحاسن بیان کیے [مختصر تاریخِ دمشق، ج ۱۸، ص ۳۱] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنی ہوئی احادیث روایت کر کے محبتِ اہلِ بیت اور غلامیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حق ادا کیا۔)) [محبّ نوری]

(ج)......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں یہ باب باندھا ہے: کتاب الادب دیکھیں:

بَابُ التَّکَنِّیْ بِأَبِیْ تُرَاب، وَ اِنْ کَانَتْ لَہٗ کُنِیَۃٌ اُخْرٰی---

''خواہ کنیت دوسری موجود ہو، لیکن ابوتراب کنیت رکھنے کا بیان''---

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أَوْ عَلٰی جَعْلِ الْکُنْیَۃِ اِسْمًا---

''یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا علی رضی اللہ عنہ کو ابوتراب کہہ کر پکارنا، یہ کنیت کو اسم بنانا ہے''---

فِیْہِ اِطْلَاقُ الْاِسْمِ عَلَی الْکُنْیَۃِ---

''اس میں کنیت کو مطلقاً اسم کہنا ہے''---

جس نے اسے تنقیص پر محمول کیا، اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ اہلِ شام سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرتے تھے، انہیں اِبْنُ ذَاتِ النِّطَاقَیْنِ کہہ کے پکارتے تھے۔ [۱۷]

ذات النطاقین سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کا لقب تھا، انہوں نے اپنا کمربند پھاڑ کر اس کے دو ٹکڑے کیے تھے، ایک اپنے استعمال کے لیے، دوسرے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زادِ سفر ہجرتِ مدینہ کے وقت باندھا تھا۔ یہ لقب ان کے لیے باعثِ فخر تھا، جسے شامیوں نے وجہ توہین بنا دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ لقب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عطا کردہ تھا۔ [۱۸]

آگے ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ ابنِ اسحاق لکھتے ہیں:

''ابوتراب کنیت، دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پانے کے بعد، سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب کبھی، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کسی بات پر ناخوش ہوتے تو اپنے سر پر مٹی ڈال لیتے اور چپ ہو جاتے، اس حال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہیں دیکھ کر سمجھ جاتے کہ ان کے

گھر میں کوئی ناراض ہے۔ پھر آپ ﷺ دریافت فرماتے:

مَا لَکَ یَا اَبَا تُرَاب؟---''ابوتراب! کیا ہوا؟''---[۱۹]

●......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں، اس سے پچھلا باب یہ باندھا:

بَابُ الْکُنْیَۃِ لِلصَّبِیِّ وَ قَبْلَ أَنْ یُّوْلَدَ لِلرَّجُلِ---

''لڑکے کی کنیت مقرر کرنی اور اس کے پیدا ہونے سے قبل ہی، اس کے باپ کی کنیت رکھنی''---

اس باب کے تحت امام صاحب یہ روایت لائے ہیں:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سب سے زیادہ خوش اخلاق تھے، میرا ایک (چھوٹا) بھائی ابوعمیر تھا۔ حضور ﷺ ہمارے گھر تشریف لاتے تو فرماتے:

یَا اَبَا عُمَیْر، مَا فَعَلَ النُّغَیر؟---[۲۰]

اس کی تشریح میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضور ﷺ اس بچے عمیر سے دل لگی کرتے ہوئے فرماتے: (چڑیا کی مانند پرندے سے یہ بچہ کھیلا کرتا تھا)، ایک روز حضور ﷺ نے اسے غم زدہ دیکھا، تو اس کی والدہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بتایا: حضور! اس کا کھلونا (پرندہ) مر گیا ہے، تب یہ غمگین بیٹھا ہے۔ اس وقت آپ ﷺ نے عمیر بچے کی دل داری کے لیے، یوں پوچھا، جیسے کوئی کسی کی میت پر اظہارِ ہمدردی کرتا ہے:

ابوعمیر! تیرے نُغَیر کو کیا ہوا؟''---[۲۱]

●......علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

پچھلے باب کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو حصے ذکر کیے ہیں، ایک تو چھوٹے بچے کا نام کنیت پر رکھنا، جیسے ابوعمیر۔ دوسرا حصہ یہ کہ بڑے آدمی کی کنیت لاولد ہوتے ہوئے۔ اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ اس طرف ہے کہ جو لاولد کی کنیت سے منع کرے، اس کی تردید ہے کیونکہ یہ خلافِ حقیقت بات ہے۔

❶......جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

صہیب! تو نے ابویحییٰ کنیت کیسے رکھی ہے، تیرا تو کوئی بیٹا ہی نہیں ہے؟

قال صھیب: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَنَّانِیْ---

''میری کنیت نبی ﷺ نے رکھی تھی''---

(مجازاً:ابو یحییٰ: ملک الموت کو کہتے ہیں۔[المنجد])شگون کے طور پر، لمبی زندگی مراد ہوتی ہے۔[فتح]

❷...... فضیل بن عمر نے ابراہیم سے سوال کیا: مجھے ابو النضر کی کنیت سے پکارا جاتا ہے، جب کہ میرا کوئی بیٹا ہی نہیں ہے۔ادھر لوگ یہ باتیں کرتے ہیں کہ بغیر بیٹے کے،کنیت والا، ابو جَعْر ہوتا ہے۔(ابو جعر، جس کا پاخانہ خشک ہوکر،اس کی پیٹھ (دبر) میں پھنس گیا ہو۔)

ابراہیم نے جواب دیا۔

❸...... علقمہ کی کنیت ابو شِبل تھی، جب کہ ان کا کوئی بیٹا نہیں ہوا تھا۔[۲۲]

شِبل ،شیر کے اس بچے کو کہتے ہیں، جو شکار کرنے کے قابل ہوجائے۔ ابو الاشبال شیر کو کہتے ہیں۔[المنجد ، المورد]

(د)......چوتھے مقام پر، وہی حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب الاستئذان میں لائے ہیں:

جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بَیْتَ فَاطِمَۃَ عَلَیْھَا السَّلَامُ فَلَمْ یَجِدْ عَلِیًّا فِی الْبَیْتِ، فَغَاضَبَنِی فَخَرَجَ وَ ھُوَ یَقُوْلُ : قُمْ یَا أَبَا تُرَابٍ، قُمْ یَا اَبَا تُرَابٍ---[۲۳]

اس کے تحت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ابوتراب کا سبب کنیت، کتاب الادب میں گزر چکا ہے۔ وَالْغَرْضُ مِنْہُ قَوْلُ فَاطِمَۃَ عَلَیْھَا السَّلَامُ ''فَغَاضَبَنِیْ فَخَرَجَ فَلَمْ یَقِلْ عِنْدِی''۔

اس مقام پر، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صرف اس غرض سے یہ حدیث لائے ہیں کہ فاطمہ علیہا السلام کے قول سے ظاہر کرنا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے میرے پاس قیلولہ نہیں کیا اور ناراض ہوکر باہر چلے گئے ہیں۔اس حدیث پر باب کا عنوان یہ لائے ہیں: اَلْقَائِلَۃُ فِی الْمَسْجِدِ، مسجد میں قیلولہ (دوپہر کے وقت سونا) کرنا۔یعنی مسجد میں سونا جائز ہے۔[۲۴]

الغرض، ابوتراب کا معنی ہوا مٹی والا، نہ کہ مٹی کا باپ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اصل نام کے بارے میں، ہمارے نزدیک صحیح ترین چیز،

اسلام میں، عبداللہ یا عبدالرحمٰن ہے۔

وَ غَلَبَتْ عَلَیْہِ کُنْیَتُہٗ، فَھُوَ کَمَنْ لَّا اِسْمَ لَہٗ---

''ان کی کنیت (ابو ہریرہ) ایسے غالب آ گئی، جیسے ان کا کوئی نام ہی نہیں''---

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

پینتیس (35) اقوال میں سے، عَلَی الْاَصَح، ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر ہے۔

❶...... حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بیان کی ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ایک روز میں اپنی آستین میں بلی اٹھائے ہوئے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا اور دریافت فرمایا: مَا ھٰذَا؟ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی۔ حضور! یہ بلی ہے۔

فَقَالَ: یَا أَبَا ھُرَیْرَۃَ---''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ''---

دوسری روایت میں ہے: اَنْتَ أَبُو ھُرَیْرَۃَ---''تو ابو ہریرہ ہے''---

❷...... یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بچپن میں، بلی سے کھیلتے تھے یا بلی کی دیکھ بھال کرتے تھے، یا ان کے والد نے انہیں کنیت دی تھی۔

❸...... ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ آخر پر لکھتے ہیں کہ ان کی یہ کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ ان کا اصل نام بھلا دیا گیا۔[۲۵]

اس نام سے واضح ہوا کہ اَبُو کا معنی باپ نہیں ہے، کیونکہ کوئی انسان بلی کا باپ نہیں ہو سکتا۔ ابو ہریرہ کا معنی ہوا، بلی والا۔ یعنی ابــــو بعض ناموں کے شروع میں جب آتا ہے تو ''صاحب'' یا ''والا'' کے معنی میں آتا ہے۔

ابوجہل کنیت

مکہ مکرمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کا شدید ترین دشمن ابوجہل تھا۔ ابوجہل اس کی کنیت اس لیے نہیں تھی کہ ''جہل'' اس کا بیٹا تھا اور وہ اس کا باپ ہونے کی وجہ سے ''ابوجہل'' ہوا۔ دراصل اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی اور جہالت میں انتہا کر دی تھی، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت افسردگی کے عالم میں اللہ تعالیٰ سے دعاء (ضرر) کی:

اَللّٰھُمَّ عَلَیْکَ بِأَبِی جَھْلِ بْنِ ھِشَامٍ، وَ عُتْبَۃَ بْنِ رَبِیعَۃَ، وَ شَیْبَۃَ بْنِ رَبِیعَۃَ، وَ الْوَلِیْدِ بْنِ عُقْبَۃَ، وَ أُمَیَّۃَ بْنِ خَلْفٍ وَّ عُقْبَۃَ بْنِ أَبِی مُعَیْطٍ---[۲۶]

''اے اللہ! ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید، اُمیہ اور عقبہ کو تباہ و برباد کردے''---

ان خبیث سرداران قریش نے صحنِ کعبہ میں، حضور ﷺ کی گردن پر، اونٹ کی بھاری اوجھڑی رکھ دی تھی، جب کہ آپ ﷺ سجدے میں پڑے تھے۔ ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

كَانَ يُكَنّٰى اَبَا الْحَكَمِ ، فَكَنَّاهُ النَّبِيُّ ﷺ أَبَا جَهْلٍ ، فَغَلَبَتْ عَلَيْهِ هٰذِهِ الْكُنْيَةُ---[۲۷]

''اس کی اپنی کنیت ابوالحکم تھی اور نام عمرو بن ہشام تھا، نبی ﷺ نے اس کی کنیت ابوجہل رکھ دی، ابوجہل کنیت، اس کے نام پر غالب آ گئی''---

اَبُو الْحَكَم

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد کے حوالے سے یہ روایت لائے ہیں:

ہانی بن یزید اپنے قبیلے کے لوگوں کے ہمراہ، وفد کی صورت میں، حضور ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں پیش ہوئے، آپ ﷺ نے سنا کہ ان کے ساتھی، انہیں ابوالحکم کہہ کر بلاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے پاس بلا لیا اور فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَكَمُ ، فَلِمَ تُكَنّٰى أَبَا الْحَكَمِ ؟---

''بے شک اللہ ہی فیصلہ کرنے والا ہے، تجھے ابوالحکم کنیت کیسے ملی؟''---

اس نے جواب دیا: میری قوم کے لوگ جب کسی بات میں اختلاف کرتے ہیں تو میرے پاس آتے ہیں، میں ان کے درمیان فیصلہ کر دیتا ہوں، دونوں فریق میرا فیصلہ تسلیم کر لیتے تھے۔ اس لیے وہ مجھے ابوالحکم کہنے لگ گئے۔

یہ وضاحت سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: کتنی اچھی بات ہے!

تیرے کتنے بیٹے ہیں؟ اس نے بتایا:

شریح، مسلم اور عبداللہ میرے بیٹے ہیں۔

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ان میں سے بڑا کون سا ہے؟

اس نے بتایا: شریح بڑا ہے۔

تب آپ ﷺ نے فرمایا: اب تیری کنیت ابوشریح ہے۔[۲۸]

تشریح حدیث

ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الكنية : قد تكون بالاوصاف---

''کنیت کبھی اوصاف (خوبیوں) کی وجہ سے ہوتی ہے''---

مثلاً: ابو الفضائل، ابو المعالی، ابو الحکم، ابو الخیر۔

کبھی اولاد کی نسبت سے ہوتی ہے، مثلاً: ابو سلمہ، ابو شریح وغیرھم

کبھی ان نسبتوں کے علاوہ بھی ہوتی ہے، مثلاً: ابو ہریرہ۔حضور ﷺ نے ان کے پاس بلی دیکھی تو انھیں ابو ہریرہ کنیت سے نواز دیا۔

کبھی کنیت، صرف علمیت (نام رکھنے) کے لیے ہوتی ہے (یعنی اس کی اور کوئی وجہ نہیں ہوتی)۔

ہانی کی خوش نصیبی

اس کے جس بڑے بیٹے شریح کی وجہ سے وہ ابو شریح کنیت پا گئے زبانِ نبوت سے، اس شریح کو اللہ تعالیٰ نے بڑے رتبے سے نوازا، کتنی فضیلتیں اسے حاصل ہوئیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر ساتھیوں میں سے ہوئے۔ دورِ صحابہ میں مفتی بنے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انہیں قاضی مقرر کیا۔ ایک مقدمے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں، ان کے فرزند ارجمند، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت رد کر دی کہ بیٹا باپ کا گواہ عدالت میں نہیں ہو سکتا۔[۲۹]

حوالہ جات

۱۶...... فتح الباری، جلد اوّل، ص694، حدیث نمبر 441

۱۷...... فتح الباری، جلد دہم

۱۸......لغات الحدیث وتذکار صحابیات

۱۹...... فتح الباری، جلد دہم، ص721، 720

۲۰......حدیث نمبر 6203

۲۱...... فتح الباری، جلد دہم، ص715

۲۲...... فتح الباری، جلد دہم، ص714، 713

۲۳......حدیث 6280

۲۴...... فتح الباری، ج11، ص84

۲۵...... مرقاۃ المصابیح، جلد اوّل، ص138

۲۶......صحیح مسلم، حدیث 1794

۲۷...... مرقاۃ، جلد دہم، ص121

۲۸...... الاصابہ، جلد ششم، ص411

۲۹...... مرقاۃ، جلد ہشتم، ص524

[جاری ہے]

❁❁❁❁❁

احتسابِ نفس اور ہماری ذمہ داری

مفتی آفتاب احمد رضوی

احتسابِ نفس یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال، اقوال اور احوال و نیات کو پرکھے۔ کوتاہیوں اور غلطیوں سے اجتناب کرے اور زندگی کے شب و روز کو صحیح سمت لائے۔ احتساب کے اس عمل میں تسلسل اور تواتر کی ضرورت ہے تاکہ زندگی خیر کی پٹڑی پر ہمہ وقت رواں دواں رہے۔ محاسبۂ نفس کے ثمرات سے بہرہ مند ہونے کے لیے چند ضروری امور پیشِ نظر رہیں:

❶ **اصلاحِ نیت**: کسی بھی عمل کو سرانجام دینے سے پہلے نیت پر توجہ دی جائے، کیونکہ کسی بھی عمل پر ثواب تب ملتا ہے جب نیت میں خالصیت ہو۔ ہر نیک کام میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ اخلاص اور للّٰہیت کو حرزِ جاں بنایا جائے۔

❷ **یومیہ نگرانی**: روزانہ کی بنیاد پر اپنے اعمال کا جائزہ لیا جائے۔ خیر و شر اور نیک و بد میں تمیز کیا جائے اور بہتر سے بہتر کردار کے حصول کے لیے کوشش کی جائے۔

❸ **استغفار و ندامت**: انسان خطا کا پتلا ہے، اگر کہیں غلطی اور خطا سرزد بھی ہو جائے تو ندامت، شرمندگی، پشیمانی اور توبہ و استغفار سے اس کا ازالہ کیا جائے۔

❹ **حصولِ خیر کی کوشش**: اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو دور کرنے کی

مسلسل کوشش کی جائے اور آہستہ آہستہ غلطیوں سے جان چھڑائی جائے۔ اگر یہ عمل نیک نیتی پر مبنی ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوگی۔

جب انسان ان زرّیں اصولوں پہ کاربند رہے اور دھیرے دھیرے مقصد کے حصول کے لیے کوشش کرتا رہے تو ضرور ایک دن محاسبۂ نفس کے زیور سے آراستہ ہو جائے گا۔

❺ **صالحین کی ہم نشینی:** محاسبۂ نفس کے لیے نیک لوگوں کی مصاحبت تیر بہدف نسخہ ہے۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند

''نیک لوگوں کی صحبت تمہیں نیک بنائے اور برے لوگوں کی صحبت تمہیں برا بنائے''---

محاسبۂ نفس کے بارے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں تفصیل سے لکھا ہے:

❶ **مراقبہ:** اپنے اعمال اور نیتوں کی نگرانی کرنا۔

❷ **محاسبہ:** دن کے اختتام پر اپنے اعمال کا جائزہ لینا اور دیکھنا کہ کہاں کہاں غلطی اور کوتاہی کا ارتکاب ہوا۔

❸ **معاقبہ:** اپنی کمزوری اور کج روی پر نفس کو سزا دینا، جیسے کہ زیادہ عبادت کرنا یا روزہ رکھنا۔

❹ **مجاھدہ:** اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف جدوجہد کرنا۔

❺ **مشارطہ:** اپنے نفس سے عہد کرنا کہ وہ آئندہ ان غلطیوں سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

انسان! نفس و شیطان سے یا تو نبرد آزما ہے یا سمجھوتہ کر کے ان کے جال میں پھنس چکا ہے۔ قدم قدم پر غلطی، خطا اور گناہ سے واسطہ پڑتا ہے، غلطیوں کی راہ پر ڈگمگاتے، لڑکھڑاتے، گرتے پڑتے سرپٹ دوڑ رہا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ---[ابن ماجہ:4251]

''ہر انسان محل خطا ہے اور بہتر خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں''---

انسان ہمہ گیر نقصان اور خسارے کی زد میں ہے

إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ---[العصر:2]

''بے شک انسان ضرور نقصان میں ہے''---

انسان اور شیطان میں واضح فرق یہ بھی ہے کہ بنی آدم ارتکابِ گناہ پر نادم وشرمندہ ہوکر توبہ تائب ہوجاتا ہے جب کہ شیطان اپنے کیے پر آج بھی ڈھٹائی سے قائم دائم ہے۔

یہ عمرِ چندروزہ امانت ہے اور دارالامتحان کا ہر پل، لمحہ اور آن انسان کو ابتلاء اور آزمائش کی بھٹی سے گزارتا رہتا ہے۔ جیسے کمرۂ امتحان میں بیٹھنے والا طالب علم ہر طرح سے اپنی پوری توجہ، انہاک اور دھیان اپنے کام پر رکھتا ہے، یوں ہی انسان کو بھی اس دارالعمل میں ہمہ وقت چوکنا اور مستعد رہنا لازمی اور لابدی ہے۔

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

احتساب ذات کہیے یا محاسبۂ نفس، مفہوم دونوں کا ایک ہے۔ آخرت پر ایمان لانا اعتقاد کا جزوِ لاینفک ہے۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ پڑھنے والا آفتاب نیم روز کی طرح جانتا ہے کہ یوم آخرت میں اپنے کیے کا بدلہ اور جزا مقدر ہے۔ آخرت کا یہی تصور حضرتِ انسان کو اس کارگہ حیات میں اپنے اعمال، اقوال اور احوال میں احتسابِ ذات پر برانگیختہ کرتا ہے اور اپنے تمام حرکات وسکنات کو نگرانی ونگہداشت کے حصار میں لینے پر ابھارتا ہے۔

فقر قرآن احتسابِ ہست و بود — نَے رباب ومستی و رقص و سرود

''فقر قرآن، ماضی اور حال کا احتساب ہے، رباب، مستی اور رقص وسرود نہیں ہے''---

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ○ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ---[الزلزال،99:7-8]

''تو جو ایک ذرّہ بھر بھلائی کرے، اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرّہ بھر برائی کرے، اسے دیکھے گا''---

جب عمرِ مستعار میں اعمال کے تمام ذرّات محسوب ہیں اور خالق ومالک دیکھ رہا ہے، اس سے بڑھ کر احتسابِ نفس کی تعلیم وتربیت کیسے ممکن ہے:

پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے
یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے

قرآن مجید کی متعدد آیاتِ بینات پُراثر اور پُرزور طریقے سے اپنے نفس کی نگرانی اور احتساب کی بھرپور تعلیم دیتی ہیں:

وَ اللّٰہُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِo---[آل عمرٰن:15]

''اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے''---

اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًاo---[بنی اسرائیل:30]

''بے شک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا دیکھتا ہے''---

وَ ھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ ط وَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌo---[الحدید:4]

''اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے''---

مطلب یہ کہ اللہ کریم اپنے علم اور قدرت کے اعتبار سے ساتھ ہے، اگر محض یہی تصور کہ رب تعالیٰ علم وقدرت کے اعتبار سے ہمارے ساتھ ہے، راسخ ہو جائے تو احتسابِ نفس کی اس سے بڑی تعلیم نہیں ہوسکتی۔

احتسابِ خویش کن از خود مرو یک دو دم از غیر خود بے گانہ شو

''اپنا احتساب کر، اپنی ذات سے نہ بھاگ، ایک دو گھڑی غیروں سے بیگانہ ہوجا''---

اپنی ذات کا حساب کم وبیش اس لیے بھی ضروری ہے کہ بالآخر یوم الحساب کو تو حساب ہونا ہے، اس کڑے اور سخت ترین مرحلے سے گزرنا ہے، تو کیوں نہ پہلے اپنے آپ کو تولا جائے اور اپنی ذات کا محاسبہ کیا جائے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

سعدیا خود را بچشمِ دل نگر پیش زاں کہ روزِ حشر آید ملک

''اے سعدی! اپنے آپ کو دل کی آنکھ سے (محاسبہ کر) دیکھ، اس سے پہلے کہ قیامت کے دن (حساب لینے کے لیے) فرشتہ آجائے''---

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اپنے اعمال کا وزن کرلو اس سے پہلے کہ ان کا وزن کیا جائے اور اپنا محاسبہ کرلو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے۔ بے شک یہ قیامت کے دن کے حساب سے آسان ہے اور بڑی پیشی کے لیے تیار ہو جاؤ جس کے بارے اللہ کریم کا ارشاد ہے:

یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْکُمْ خَافِیَۃٌ o---[الحاقۃ، 18:69]

”اس دن تم سب پیش ہوں گے کہ تم میں کوئی چھپنے والی جان چھپ نہیں سکے گی“---[الزھد للامام احمد بن حنبل، ح633، ص148]

قیامت کے دن اعمال کے تلنے سے قبل اپنے اعمال کا خود تولنا اور حسابِ روزِ جزا سے پیش تر اپنا محاسبہ کرنا حقیقت پر مبنی گفتگو کا ہر لفظ غفلت، سستی بے راہ روی اور کج فہمی کی تمام رکاوٹوں کو تہ و بالا کرتے ہوئے حقائق سے روشناس کر کے اصل فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کا علم بردار ہے۔ کاش دل کے کانوں سے یہ کلام حق شناس سنا جائے اور حرزِ جاں بنایا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ o---[الحشر، 18:59]

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر جان دیکھے کہ ”کل“ کے لیے کیا آگے بھیجا اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی ”خبر“ ہے“---

یہاں روشن مستقبل کا خیال ہر ذہن و دماغ پر سوار ہے۔ چند روزہ زندگی کو سہولیات کے حصول اور خواہشات کی تکمیل کے لیے جائز و ناجائز حربے استعمال کیے جاتے ہے، لیکن اصل مستقبل تو آخرت ہے، اس طرف توجہ کا فقدان ہے۔

رب کریم نے بڑی وضاحت سے فرمایا اور ہر جان دیکھے کہ کل کے لیے کیا آگے بھیجا۔ اپنی ذات کو تولنا، اپنا حساب خود کرنا اور محاسبۂ نفس کے عمل سے گزرنا حکم الٰہی ہے، جس سے اکثریت غافل اور عدم توجہ کی شکار ہے۔

رب کریم نے آخرت کو لفظ غد (کل آئندہ) سے تعبیر فرمایا۔ گویا قیامت، آخرت اور یوم حساب دور نہیں، بلکہ کل کی طرح ہے۔ دنیا آج اور آخرت کل ہے، اس قدر قریب کل کے لیے تیاری کریں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی　　تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَکْتُوْبٌ عَلٰی بَابِ الْجَنَّةِ: وَجَدْنَا مَا عَمِلْنَا، رَبِحْنَا مَا قَدَّمْنَا، خَسِرْنَا مَا خَلَّفْنَا---[روح البیان، ج9، ص448]

''جنت کے دروازے پر تحریر ہے: ہم نے پایا جو عمل کیا، نفع کمایا جو آگے بھیجا، نقصان اٹھایا جو پیچھے چھوڑا''---

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَ الْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا، وَ تَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ---[ترمذی، ح:2459]

''عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو رام، مسخر کر لے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے اور نادان اور بے وقوف وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات پر لگا دے اور رحمت الٰہی کی آرزو کرے''---

حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جہاں بھی رہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو، برائی کے بعد بھلائی کرو، جو برائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ''---[ترمذی، ح:1987]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا یَسْتَقِیْمُ إِیْمَانُ عَبْدٍ حَتّٰی یَسْتَقِیْمَ قَلْبُہٗ، وَ لَا یَسْتَقِیْمُ قَلْبُہٗ حَتّٰی یَسْتَقِیْمَ لِسَانُہٗ---[مسند احمد، ح:13077]

''کسی بندے کا ایمان درست نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل درست نہ ہو اور اس کا دل درست نہیں ہو سکتا جب تک اس کی زبان درست نہ ہو''---

اللہ کریم جل شانہٗ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہم سب کو خود احتسابی اور محاسبۂ نفس کی سوچ عطا فرمائے اور ہمیں راہِ شر سے راہِ خیر پہ چلنے اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ نیک اعمال بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمِیْنُ بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ وَ بَارَکَ وَ سَلَّمَ

❀❀❀❀❀

توکل علی اللہ کی برکات

حافظ محمد اسد

’’توکل‘‘ کی تعریف کے بارے میں ائمہ سلف سے مختلف اقوال ملتے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات پر بھروسا کرنے اور مخلوق سے تمام توقعات ہٹا لینے کو ’’توکل‘‘ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو ’’دارالامتحان‘‘ بنایا ہے اور یہاں ہر کام اس کی مشیت ورضا ہی سے ہورہا ہے۔ ہمارا عقیدہ تو یہی ہے کہ ساری دُنیا کے انسان مل کر بھی کسی فردِ واحد کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے، جب تک باری تعالیٰ کا حکم نہ ہو، لیکن آج کا مسلمان یہ جاننے کے باوجود اپنے طرزِ عمل سے اس حقیقت سے انکاری نظر آتا ہے۔ اُسے اپنی صلاحیتوں اور کاوشوں پر اس قدر ناز ہے کہ ربّ تعالیٰ کی ذاتِ اَقدس کی عطا سے صرفِ نظر کرتا ہے اور اُس کے اَن گنت احسانات اور انعامات کو یک لخت فراموش کر دیتا ہے۔ اپنی کامیابی اور عروج کا حاصل اپنی فہم وفراست اور عقل ودانش ہی کو قرار دیتا ہے۔ دوسری طرف، ایک ناکام شخص بھی اپنی محرومیوں کا ملبہ دوسروں پر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ دراصل اسباب تو ہمیں اختیار کرنے چاہییں، لیکن ہمارا بھروسا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہیے۔ یہ عقیدہ پختہ رکھنا چاہیے کہ وہ ذات اسباب کے بغیر بھی چیزوں کو وجود میں لاسکتی ہے، جب کہ اسباب کی موجودگی کے باوجود بھی اُس کے حکم کے بغیر کوئی چیز وجود میں نہیں آسکتی۔

’’توکل علی اللہ‘‘ کی صفت اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بندہ یہ تصور کرے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ میرے تمام معاملات کا کفیل ہے۔ وہ ذاتِ اَقدس علیم وبصیر ہے،

قادرِ مطلق ہے اور نسیان جیسے امراض سے پاک ہے۔ ہر نقص وعیب سے منزہ ہے۔ جب ہمارے ذہن میں یہ تصور دائمی طور پر رہے گا تو یقیناً تمام معاملات کے بارے میں توکل کی حقیقت کا شعور ہمیں حاصل ہو جائے گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو اسباب کے ساتھ جوڑا ہے۔ یہی یقینِ کامل رکھنا ہمارا امتحان اور آزمائش ہے۔ اگر اسباب کے ساتھ مسبّب الاسباب پر نظر رکھی جائے تو کامیابی ملے گی۔ اللہ کے رسول ﷺ سے ہر ہر موقع پر جو مناجات اور دعائیں منقول ہیں، ان میں مذکور کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ چناں چہ آپ ﷺ جب کھانا تناول فرماتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ اَشْبَعَنَا وَ اَرْوَانَا وَ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَ اَفْضَلَ ---[رواہ الحاکم]

”تمام شکر اور تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے میری بھوک کو مٹایا، پیاس کو بجھایا اور مجھ پر انعام اور فضل فرمایا“---

یعنی اے اللہ! بھوک تیرے حکم سے مٹی ہے اور پیاس تیرے حکم سے بجھ گئی ہے، گویا یہ یقینِ کامل ہے کہ بھوک اور پیاس کھانے یا پینے سے ختم نہیں ہوئی۔ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم کھا پی کر بھی سیراب نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی طرح جناب نبی کریم ﷺ جب سفر مبارک کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھتے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَ مَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾---[الزخرف]

”پاک ہے وہ ذات جس نے اس (سواری) کو ہمارے بس میں کر دیا، حالانکہ ہمیں اسے قابو کرنے کی طاقت نہ تھی اور بالیقین ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں“---

یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں کہ ہم اُس کے اِذن کے بغیر کچھ کر سکیں۔

یہی وہ طریقۂ تعلیم تھا جس نے دشمنوں کو دوست بنا دیا، جس نے تاریکیوں میں پڑے ہوئے لوگوں کو ہدایت کا نور اور راہِ نجات عطا فرمائی۔ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر عبادات،

معاملات اور عقائد کے ضمن میں ''توکل علی اللہ'' کا ذکر لازمی طور پر کیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث مبارکہ بھی ''توکل'' کی اہمیت اور فضائل کو بڑے جامع انداز میں بیان کرتی ہیں۔ غزوۂ بدر کو حق و باطل کی فیصلہ کن جنگ قرار دیا گیا اور قرآن کریم نے اسے ''یوم الفرقان'' قرار دیا۔ اس غزوہ میں کفار کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی، وہ بھی جنگی ساز وسامان سے لیس، مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے جنہیں جنگی ہتھیار بھی میسر نہیں تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ اس معرکہ کے لیے میدان میں اترنا ہے۔ شیطان اپنے لشکر کو تعداد کے گھمنڈ میں مبتلا کر رہا تھا اور ''لَا غَالِبَ لَکُمُ الْیَوْمَ'' (آج کے دن تم پر کوئی غالب نہ ہوگا) کے نعرے لگوا کر دھوکا دے رہا تھا۔ دوسری طرف رب تعالیٰ اپنے محبوب جناب نبی کریم ﷺ کو اطمینان دلا رہا تھا کہ آج آپ اپنے خالق پر بھروسا کر کے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو میدان میں اتاریے، ہماری مدد آپ ﷺ کے ساتھ ہوگی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ ساری دنیا کے سامنے کھلی کتاب کی طرح عیاں ہے۔ ۳۱۳ نیم مسلح مجاہدوں نے پورے طور پر مسلح اور جنگی ساز وسامان سے آراستہ ایک ہزار کے لشکر کو بری طرح شکست دی اور ایک ایسی عظیم الشان فتح حاصل کی، جس نے تاریخ کا رخ ہی بدل دیا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا وہ مقدس گروہ جس نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے پیغام کو دنیا تک پہنچانے کا فریضہ باحسن خوبی ادا فرمایا، ان کی زندگیاں بھی ''توکل علی اللہ'' سے عبارت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَ مَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَآ اٰذَیْتُمُوْنَا ؕ وَ عَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ---[ابرٰھیم]

''آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسا نہ رکھیں جب کہ اُسی نے ہمیں ہماری راہیں سجھائی ہیں۔ واللہ جو ایذائیں تم ہمیں دو گے ہم ان پر صبر ہی کریں گے اور توکل کرنے والوں کو یہی لائق ہے کہ اللہ ہی پر توکل کریں''---

رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا وَ اِلَیْکَ اَنَبْنَا وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ﴿۴﴾ ---[الممتحنة]

''اے ہمارے رب! تجھی پر ہم نے بھروسا کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے''---

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا ج ---[الملک:۲۹]

''آپ کہہ دیجیے کہ وہی رحمٰن ہے، ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اسی پر ہمارا بھروسا ہے''---

نیز نبی رحمت ﷺ اور ان کے پیروکاروں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۠ ﴿۶۴﴾---[الانفال]

''اے نبی! آپ کو اللہ کافی ہے اور ان مومنوں کو جو آپ ﷺ کی پیروی کر رہے ہیں''---

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے لیے اور آپ کے پیروکار مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات کافی ہے، اُس کی ذاتِ اقدس کے علاوہ آپ کو کسی اور کی کوئی ضرورت نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی سیرت و کردار سے ایسے ہی نمونے پیش فرمائے۔ حدیث شریف میں وارد ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اطرافِ نجد میں غزوہ کے لیے گئے تھے۔ پھر جب نبی کریم ﷺ واپس ہوئے تو وہ بھی واپس ہوئے۔ ایک وادی میں قیلولہ کا وقت آیا، جہاں ببول کے درخت تھے۔ نبی کریم ﷺ وہیں اتر گئے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین درختوں کے سائے کے لیے پوری وادی میں پھیل گئے۔ آپ ﷺ نے بھی ایک ببول کے درخت کے نیچے قیام فرمایا اور اپنی تلوار اس درخت پر لٹکا دی۔ جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ابھی ہمیں سوئے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں پکارا۔ ہم جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کے پاس ایک بدوی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے میری تلوار (مجھ ہی پر) سونت لی تھی۔ مَیں اُس وقت سویا ہوا تھا، میری آنکھ کھلی تو میری ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ: تمھیں میرے ہاتھ سے آج کون بچائے گا؟ مَیں نے تین مرتبہ ''اللہ'' کہا! اب دیکھو یہ (نہتا) بیٹھا ہوا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے پھر کوئی سزا نہیں دی۔

[صحیح بخاری، غزوہ ذات الرقاع کا بیان، حدیث:۴۱۳۵]

خلیل اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی توکل علی اللہ کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ آتشِ نمرود میں ڈالے جانے کا حکم ہوا تو ملائکہ ششدر رہ گئے اور ان کی مدد کرنے کے لیے بے چین ہو گئے، لہٰذا پانی کے فرشتے نے مدد کی اجازت چاہی، اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی کہ جاؤ اگر ابراہیم (علیہ السلام) تمہاری مدد لینا قبول کریں تو مدد کر سکتے ہو۔ وہ فرشتہ آیا اور پانی سے آگ سرد کرنے کی اجازت چاہی۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: کیا آپ کو اللہ نے اس کام کے لیے بھیجا ہے؟ فرشتے نے کہا: نہیں، بلکہ مَیں خود اجازت لے کر حاضر ہوا ہوں۔ یہ سن کر خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا:

''جب میرے رب کو میرا حال معلوم ہے، پھر بھی اُس نے خود نہیں بھیجا تو مجھے آپ کی اعانت درکار نہیں۔ میرا رب میرے حال کو جانتا ہے اور مجھے اُس کی ذات پر بھروسا و اعتماد ہے''---

یہ تھی توکل علی اللہ کی شان!

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں ڈالے جانے کے وقت جو آخری بات کہی تھی، وہ ''حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْل'' تھی اور یہی جملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد کے موقع پر کہا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''جنہیں لوگوں نے کہا کہ بے شک لوگ (دشمن) تمہارے لیے جمع ہو گئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرو، تو اس بات نے ان کو ایمان میں بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے: ہمارے لیے اللہ کافی اور وہی بہترین کارساز ہے''---[آلِ عمران ۳:۱۷۳، صحیح بخاری]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذہن میں لائیے کہ جب فرعون کا لشکر پیچھے تھا اور آگے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، تو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کے ساتھیوں کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا: موسیٰ اب بتاؤ کیا کریں؟ ہم تو پکڑ لیے گئے۔ آگے بحرِ قلزم ہے، پیچھے فرعون کا ٹڈی دَل لشکر، نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن! ظاہر ہے کہ نبی اور غیر نبی کا ایمان یکساں نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت ٹھنڈے دل سے جواب دیا:

کَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾---[الشعراء]

''ہرگز نہیں! یقین مانو، میرا رب میرے ساتھ ہے، جو ضرور مجھے راہ

دکھائے گا“---

مطلب یہ کہ گھبراؤ نہیں، تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچ سکتی۔ میں اپنی رائے سے تمہیں لے کر نہیں نکلا، بلکہ ”احکم الحاکمین“ کے حکم سے چلا ہوں، وہ وعدہ خلاف نہیں ہے۔ لشکر کے اگلے حصے پر حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ گھبراہٹ کے مارے اور راہ نہ ملنے کی وجہ سے سارے بنی اسرائیل ہکا بکا ہو کر ٹھہر گئے اور اضطراب کے ساتھ جناب کلیم اللہ علیہ السلام سے دریافت کرنے لگے کہ: اللہ کا حکم اسی راہ پر چلنے کا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اتنی دیر میں فرعون کا لشکر سر پر آ پہنچا۔ اسی وقت پروردگار کی وحی آئی کہ اے موسیٰ! اس دریا پر اپنی لاٹھی مارو اور پھر میری قدرت کا کرشمہ دیکھو۔ چنانچہ آپ نے لکڑی مار کر فرمایا کہ اللہ کے حکم سے تو پھٹ جا اور مجھے چلنے کا راستہ دے دے۔ اسی وقت وہ سمندر پھٹ گیا اور پانی پہاڑی تودوں کی مانند کھڑا ہو گیا۔ اس میں بارہ راستے نکل آئے۔ بنو اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ ہی تھے۔ پھر قدرت الٰہی سے ہر دو فریق کے درمیان جو پہاڑ حائل تھا اس میں طاق سے بن گئے تاکہ ہر ایک دوسرے کو سلامت روی سے آتا ہوا دیکھے۔ پانی مثل دیواروں کے ہو گیا۔ ہوا کو حکم ہوا اور اس نے درمیان سے پانی کو اور زمین کو خشک کر کے راستے صاف کر دیے۔ پس اس خشک راستے سے آپ مع اپنی قوم کے بے کھٹکے گزر گئے۔ فرعون اور اس کے لشکروں نے انہی راستوں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تعاقب کرنا چاہا مگر ٹھہرا ہوا پانی جاری ہو گیا۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو تو نجات مل گئی مگر سب کافروں کو اللہ تعالیٰ نے ڈبو دیا۔

توکّل کی اہمیت اور اُخروی فوائد

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

لَوْ اَنَّکُمْ تَتَوَکَّلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ حَقَّ تَوَکُّلِہٖ لَرَزَقَکُمْ کَمَا یَرْزُقُ الطَّیْرَ، تَغْدُوْا خِمَاصًا وَ تَرُوْحُ بِطَانًا---[رواہ الترمذی و احمد]

”اگر تم اللہ پر کما حقہٗ توکل کرتے تو وہ تم کو ایسے رزق دیتا جیسا کہ پرندوں کو دیتا ہے، جو صبح خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر واپس ہوتے ہیں“---

اس حدیث میں بھی اسباب و وسائل اختیار کرنے کی ترغیب ہے کہ پرندہ صبح کو جب اپنے گھونسلے سے نکلتا ہے تو اسے اپنے رب پر یقینِ کامل ہوتا ہے کہ میری کوششوں

کے بعد اللہ عزوجل جو سب کا رازق ہے، مجھے بھی ضرور رزق عطا فرمائے گا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میری امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب و عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے، پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو آگ سے نہیں دغواتے، جھاڑ پھونک نہیں کرواتے، بدفالی نہیں لیتے اوراپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں''---[صحیح مسلم]

((واضح رہے کہ یہاں وہ جھاڑ پھونک مراد ہے جو غیر شرعی (کفریہ شرکیہ) کلمات پر مشتمل ہو، جب کہ قرآنی آیات سے دم تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔[ادارہ])):

خلاصہ

1. توکل کرنے والا شخص سکون اور اطمینان میں رہتا ہے۔
2. توکل کرنے والا شخص مخلوق سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔
3. توکل کرنے والے شخص کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ غیب سے رزق عطا فرماتا ہے۔
4. توکل کرنے والے شخص کا ایمان محفوظ ہوجاتا ہے۔
5. توکل کرنے والے شخص کو بے شمار بھلائیاں اور رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے۔
6. توکل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ایمان محفوظ ہوجاتا ہے، کیونکہ شیطان جب کسی کے ایمان پر حملہ آور ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پر یقین اور بھروسا کمزور کردیتا ہے۔

ہماری زندگی میں ذہنی اور قلبی سکون کا بہت بڑا کردار ہے۔ ذہنی اور قلبی طور پر مطمئن شخص عموماً پُرسکون اور خوش حال زندگی گزارتا ہے۔ ''توکّل علی اللّٰہ'' سے ذہنی و قلبی سکون اور راحت حاصل ہوتی ہے۔ اپنے تمام کاموں کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سپرد کردیں اور اُسی ذاتِ عالی پر کامل بھروسا کریں جو بے نیاز ہے اور سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم سب کو کامل یقین نصیب فرمائے اور متوکلین میں شامل فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

نقشہ اوقاتِ نماز برائے بصیر پور شریف و مضافات---ماہ جولائی

تاریخ	صبح صادق، ابتدائے فجر وختم سحری	طلوعِ آفتاب، انتہائے فجر	ضحوۂ کبریٰ	ابتداء وقتِ ظہر	اخیر مثلِ اوّل	اخیر مثلِ دوم آغاز وقتِ عصر	غروبِ آفتاب (افطار) وقتِ مغرب	ابتداء وقتِ عشاء
-	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا
1	3:27:50	5:04:47	11:19:33	12:08:40	3:46:28	5:03:44	7:13:01	8:48:16
2	3:28:19	5:05:10	11:19:47	12:08:51	3:46:41	5:03:50	7:12:59	8:48:07
3	3:28:51	5:05:35	11:20:01	12:09:02	3:46:54	5:03:56	7:12:57	8:47:55
4	3:29:24	5:06:00	11:20:15	12:09:13	3:47:06	5:04:00	7:12:52	8:47:42
5	3:29:58	5:06:26	11:20:30	12:09:23	3:47:19	5:04:04	7:12:47	8:47:26
6	3:30:33	5:06:53	11:20:44	12:09:33	3:47:31	5:04:07	7:12:40	8:47:09
7	3:31:10	5:07:21	11:20:58	12:09:43	3:47:42	5:04:09	7:12:31	8:46:49
8	3:31:48	5:07:49	11:21:12	12:09:52	3:47:54	5:04:11	7:12:21	8:46:28
9	3:32:27	5:08:18	11:21:26	12:10:00	3:48:05	5:04:11	7:12:10	8:46:04
10	3:33:08	5:08:48	11:21:40	12:10:09	3:48:16	5:04:12	7:11:56	8:45:39
11	3:33:49	5:09:19	11:21:53	12:10:17	3:48:26	5:04:11	7:11:42	8:45:11
12	3:34:32	5:09:49	11:22:07	12:10:24	3:48:36	5:04:10	7:11:26	8:44:42
13	3:35:15	5:10:21	11:22:20	12:10:31	3:48:45	5:04:07	7:11:09	8:44:11
14	3:36:00	5:10:53	11:22:33	12:10:37	3:48:54	5:04:04	7:10:50	8:43:38
15	3:36:45	5:11:26	11:22:45	12:10:43	3:49:02	5:04:00	7:10:30	8:43:03
16	3:37:31	5:11:59	11:22:57	12:10:49	3:49:10	5:03:54	7:10:09	8:42:26
17	3:38:18	5:12:32	11:23:09	12:10:54	3:49:17	5:03:48	7:09:45	8:41:48
18	3:39:06	5:13:06	11:23:21	12:10:58	3:49:24	5:03:41	7:09:21	8:41:07
19	3:39:55	5:13:40	11:23:32	12:11:02	3:49:30	5:03:32	7:08:55	8:40:25
20	3:40:44	5:14:15	11:23:43	12:11:05	3:49:36	5:03:23	7:08:27	8:39:42
21	3:41:33	5:14:50	11:23:53	12:11:08	3:49:40	5:03:13	7:07:58	8:38:56
22	3:42:24	5:15:25	11:24:03	12:11:10	3:49:44	5:03:02	7:07:28	8:38:09
23	3:43:14	5:16:01	11:24:13	12:11:12	3:49:48	5:02:50	7:06:56	8:37:21
24	3:44:06	5:16:36	11:24:22	12:11:13	3:49:50	5:02:37	7:06:23	8:36:31
25	3:44:57	5:17:12	11:24:30	12:11:14	3:49:52	5:02:22	7:05:48	8:35:39
26	3:45:49	5:17:49	11:24:38	12:11:14	3:49:53	5:02:07	7:05:12	8:34:46
27	3:46:42	5:18:25	11:24:46	12:11:14	3:49:53	5:01:50	7:04:35	8:33:52
28	3:47:35	5:19:02	11:24:53	12:11:12	3:49:53	5:01:33	7:03:56	8:32:56
29	3:48:27	5:19:39	11:24:59	12:11:11	3:49:52	5:01:14	7:03:16	8:31:59
30	3:49:21	5:20:16	11:25:05	12:11:09	3:49:50	5:00:55	7:02:35	8:31:00
31	3:50:14	5:20:53	11:25:11	12:11:06	3:49:47	5:00:34	7:01:52	8:30:00

● ...... **گھڑیاں درست رکھیں**



یَا قَابِلَ تَوْبَۃِ اٰدَمَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ یَا فَارِجَ کَرْبِ ذِی النُّوْنِ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ
یَا جَامِعَ شَمْلِ یَعْقُوْبَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ یَا سَامِعَ دَعْوَۃِ مُوْسٰی وَ ھَارُوْنَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ
یَا مُغِیْثَ اِبْرَاھِیْمَ مِنَ النَّارِ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ یَا رَافِعَ اِدْرِیْسَ اِلَی السَّمَاءِ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ
یَا مُجِیْبَ دَعْوَۃِ صَالِحٍ فِی النَّاقَۃِ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ یَا نَاصِرَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ
یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ رَحِیْمَھُمَا صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَّ صَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اقْضِ حَاجَاتِنَا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ اَطِلْ عُمْرَنَا
فِیْ طَاعَتِکَ وَ مَحَبَّتِکَ وَ رِضَاکَ وَ اَحْیِنَا حَیَاۃً طَیِّبَۃً وَّ تَوَفَّنَا عَلَی الْاِیْمَانِ وَ الْاِسْلَامِ
بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ● اَللّٰھُمَّ بِعِزِّ الْحَسَنِ وَ اَخِیْہِ وَ اُمِّہٖ وَ اَبِیْہِ وَ جَدِّہٖ وَ بَنِیْہِ
فَرِّجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِیْہِ پھر سات بار پڑھے سُبْحٰنَ اللّٰہِ مِلْءَ الْمِیْزَانِ وَ مُنْتَھَی الْعِلْمِ
وَ مَبْلَغَ الرِّضَا وَ زِنَۃَ الْعَرْشِ لَا مَلْجَاَ وَ لَا مَنْجَاَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَدَدَ الشَّفْعِ
وَ الْوَتْرِ وَ عَدَدَ کَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ کُلِّھَا نَسْئَلُکَ السَّلَامَۃَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ
وَ ھُوَ حَسْبُنَا وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ
الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ وَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ
وَ الْمُؤْمِنَاتِ وَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمَاتِ عَدَدَ ذَرَّاتِ الْوُجُوْدِ وَ عَدَدَ مَعْلُوْمَاتِ اللّٰہِ
وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ●---

طریقہ: عاشوراء کے دن غسل کر کے دو رکعت اس طریقہ سے پڑھیں کہ دونوں رکعتوں میں بعد سورہ فاتحہ کے دس دس بار قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اور سلام کے بعد ایک بار آیت الکرسی اور نو مرتبہ درود شریف اور اس کے بعد مذکورہ بالا دعا پڑھیں، ان شاء اللہ تمام سال عافیت سے گزرے گا۔

Book No. 36 Serial No. 7
Jul-2024
Monthly "NOOR-UL-HABIB" Basirpur
Regd No. PS / CPL - 25
ISSN 1993-4238

سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی اہلیہ محترمہ
اور ہزاروں علماء، صلحاء اور وابستگان سلسلہ نوریہ کی

روحانی اُمّ مکرمہ محترمہ "اماں جی"

کا ۲۳ واں سالانہ

ختم شریف

ان شاء المولیٰ تعالیٰ

بمقام **جامع مسجد نور**
دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف

بتاریخ **28 جولائی 2024 بروز اتوار (21 محرم الحرام ۱۴۴۶) بعد نماز ظہر 2 بجے تا 4 بجے سہ پہر**

صدارت
جانشین فقیہ اعظم
حضرت علامہ صاحبزادہ پیر مفتی
محمد محب اللہ نوری قادری
دامت برکاتہم العالیہ
سجادہ نشین آستانہ عالیہ نوریہ قادریہ
مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف

انجمن حزب الرحمٰن شعبہ تبلیغ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف
کی سالانہ کانفرنس اسی روز 28 جولائی بروز اتوار 8:30 بجے صبح تا 12 بجے ہوگی---
تمام فضلائے کرام و مستفیضین دارالعلوم کو شمولیت کی تاکید ہے-----

نوٹ: یہ کانفرنس صرف فضلائے کرام و مستفیضین دارالعلوم کے لیے ہے

منجانب بزم غلامان فقیہ اعظم پاکستان بصیر پور شریف ضلع اوکاڑا
رابطہ نمبر: 0345-7526622 0306-5696666